

دستورِ حیات

کتاب اللہ اور سنت و سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں ایک مسلمان کی زندگی کا مکمل دستور العمل، ہدایت نامہ اور نظامِ زندگی، عقائد، عبادات، اخلاق اور عادات و شمائل کے بارے میں تعلیمات اور اسوۂ نبویؐ کی وضاحت، اور اصلاح و تربیتِ نفس کے لئے قرآنی و نبوی ہدایات و تعلیمات۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلسِ نشریاتِ اسلام اے۔ ۳، انجم آباد، منیشن، ناظم آباد، کراچی ۱۸

دستورِ حیا

کتاب اللہ اور سنت و سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں ایک مسلمان کی زندگی کا مکمل دستور العمل، ہدایت نامہ اور نظامِ زندگی، عقائد، عبادات، اخلاق اور عادات و شمائل کے بارے میں تعلیمات و اسوۂ نبویؐ کی وضاحت اور اصلاح و تربیتِ نفس کے لئے قرآنی و نبوی ہدایات و تعلیمات

ترجمہ کتاب

العقیدۃ والعبادۃ السلوک

تالیف

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ترجمہ از عربی

مولوی سید سلمان حسینی ندوی

استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء

مجلسِ نشریاتِ اسلام

۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی ۷۶۰۰

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- رکن مجلس انتظامی و مجلس امداد المصنفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر اسلامی سینٹر آکسفورڈ

نام کتاب _____ دستور حیات
تصنیف _____ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
طباعت _____ احمد برادرز پرٹرز، ناظم آباد
ضخامت _____ ۲۴۰ صفحات

ٹیلیفون : ۶۲۱۸۱۶

ناشر

فضلہ رفیعہ ندوی

مجلس نشریات اسلام اے۔ کے۔ ۲ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی ۷۶۰۰

فہرست عنوانات

۱۰۸	صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار	۱۹-۵	مقدمہ مصنف، جامع و مختصر ترمیمی و اصلاحی
۱۱۱	روزہ اور اسوۂ نبویؐ	۵۸-۲۰	کتابوں پر ایک نظر اور ایک نئی کتاب کی ضرورت
۱۱۴	حج و عمرہ کے بارے میں طریقت و اسوۂ نبویؐ	۸۸-۵۹	دین اسلام کا مزاج اور اسکی نمایاں خصوصیات
۱۲۸-۱۲۵	خاص موقعوں اور خاص وقتوں کے اذکار اور مستنون دعائیں	۵۹	اہل سنت و الجماعت کے عقائد
۱۵۰-۱۳۹	وہ عام اذکار و اوراد جن کی ترغیب و فضیلت آئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند جامع دعائیں	۶۹	صحیح عقائد کا حقیقی سرچشمہ اور قابل اعتماد ماخذ
۱۳۹	عام اذکار و اوراد	۷۹	بنیادی اسلامی عقائد
۱۳۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند جامع دعائیں	۷۵	توحید، دین خالص اور شرک کی حقیقت
۱۴۰-۱۵۱	راہ خدا میں جہاد	۷۹	شرک، منظر و اعمال اور جاہلی رسم و رواج
۱۵۱	دین اور سیرت نبویؐ میں جہاد کا مقام	۸۰	نبوت کا بنیادی مقصد اور بعثت کی اہم غرض
۱۵۲	جہاد کے اقسام اور ان کی مشروریت کی ترتیب	۸۰	عالمی شرک کا نہ جاہلیت کا استیصال
۱۵۴	جہاد کی فضیلت اور اس کے آداب و منافع	۸۲	شرک جلی کی اہمیت کم کرنا اور اس سے صرف نظر کرنا جائز نہیں
۱۸۹-۱۹۱	تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس	۸۳	بدعت، اس کی مضرتیں اور کامل و مکمل
۱۹۱	بشت محمدی، صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد و سلم کے مقاصد	۸۴	اور لازوال شریعت کے ساتھ اس کا تضاد
۱۹۵	انسان سازی کی ایک دائمی کارگاہ	۸۹	دارشین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حاملین
۱۹۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع و بلیغ وصف	۹۵	شریعت کا بدعتوں اور نئے رسم و رواج کے خلاف جہاد
			عبادات
			اسلام میں عبادات کا مقام
			نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ
			صدقات اور زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ

۱۹۳	اسوۂ نبویؐ کا اتباع	۱۴۳	آپ کے اخلاق عالیہ پر ایک نظر
۱۹۳	امید و بیم اور خوف ورجا	۱۴۴	شامل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۴۳	زہد و قناعت		تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کی ربانی
۱۹۳	ایثار و قربانی	۱۸۴-۲۰۴	تربیت گاہ
	کبر و غرور، فساد اور بگاڑ پھیلانے		روحانی امراض اور نفس کے شرور کے
۱۹۳	کی حرمت	۱۸۴	زہر کا تزریق
۱۹۵	حسن اخلاق اور نفس پر قابو رکھنا	۱۸۸	اخلاص
۱۹۵	نیکو کاروں کی صحبت	۱۸۸	سچی توبہ
۱۹۵	مسلمان کے مسلمان پر حقوق	۱۸۸	صبر و تحمل اور عضو و درگزر
	احادیث نبویؐ - تمام اعمال میں سلامتی	۱۸۹	خدا تعالیٰ کا استحضار
	نیت اور خدا تعالیٰ سے ثواب کی امید	۱۸۹	تقویٰ اور قول و عمل میں استقامت
۱۹۶	کی اہمیت -	۱۸۹	یقین و توکل
۱۹۸	ایمان کے شرائط اور حقیقی مسلمان کی صفات	۱۹۰	استقامت
	مسلمان معاشرہ جو نبوی تعلیمات اور		کتاب و سنت کو مضبوطی سے
۲۰۱	ارشادات پر قائم ہے -	۱۹۰	تھامے رہنا
	ہلک اعمال و اخلاق اور حبس میں	۱۹۰	اللہ اور اس کے رسول کی محبت
۲۰۳	داخلے کے موافق	۱۹۱	تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں تعاون
	فضائل و مکارم اخلاق اور تقویٰ و	۱۹۱	اسلامی اخوت و بھائی چارگی
۲۰۵	عقلمندی کے تقاضے	۱۹۲	امانت کی ادائیگی
	اسلامی تمدن کی ضرورت و اہمیت اور		لوگوں میں مصالحت اور مفید و خیر
۲۱۱-۲۰۸	مغربی تمدن سے اس کا تضاد	۱۹۲	کے کام
۲۲۰-۲۱۲	کچھ تجربے، کچھ مشورے	۱۹۲	نرم خونی، مدارات و تواضع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ مصنف

جامع و مختصر تربیتی و اصلاحی کتابوں پر ایک نظر

اور

ایک نئی کتاب کی ضرورت

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

شریعت کی تعلیمات اور دین کے احکام و مسائل کے موضوع پر اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ چلا آ رہا ہے اسی کے ساتھ قدرتی طور پر حکومت و تمدن کی ترقی کے نتیجہ میں مسلمانوں کی زندگی میں وسعت و تنوع پیدا ہوتا رہا ہے اور اسلامی معاشرہ نئے نئے حالات سے دوچار ہوتا رہا، اس کی نت نئی ضرورتیں، امراض اور کمزوریاں مطالبے اور تقاضے، اہل فکر و قلم کے سامنے آتے رہے، ساتھ ہی ساتھ دینی اسلامی کتب خانہ بڑھتا اور وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ موجودہ دور کا مسلمان نہ صرف یہ کہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا، بلکہ اس کے لئے یہ بھی مشکل ہے کہ اپنی پسند کا انتخاب ہی کرے یا اجمالی طور پر اس سے نفع اٹھا سکے۔

اسی لئے طبعی طور پر ان حضرات کو جن کو امت مسلمہ کے مسائل سے گہرا تعلق تھا،

اور جو مسلم معاشرہ کے صحیح و غلط رجحانات پر عمیق اور حقیقت پسندانہ نظر رکھتے تھے اور

اپنے دور کے مسلمانوں کی اس ذہنی پریشانی، اور طلب و جستجو سے واقف تھے، ایک ایسی رہنما

اور ہمہ گیر قسم کی کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی، جو عبادات و معاملات اور اخلاق و عادات کے باب میں مسلمانوں کے لئے دستور العمل اور گائیڈ بک کی حیثیت رکھتی ہو، یہ ایک ایسی انسانی ضرورت اور فطری تقاضہ تھا جس سے کوئی دور خالی اور مسلمانوں کی کوئی نسل اور ملک اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا، عہد نبویؐ میں بھی جو سرتاپا خیر و برکت اور عالی ہمتی کا زمانہ تھا، اس کی مثالیں ملتی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:-

إن شرائع الإسلام قد كثرت عليّ يا رسول الله اسلام کے تفصیلی احکام

فأنبئني منها بشئٍ أثبت به بہت ہو گئے ہیں جو مجھ جیسے (عامی آدمی)

کے قابو میں نہیں آتے، کوئی ایسی (محقر

بات) بتا دیجئے جس کو میں عبث و بے

تھام لوں۔

رسول اکرم و مربیٰ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی کی بات توجہ سے سنی، بجائے اس کے کہ اس کو ملامت کرتے اور اس کے اس مطالبہ کو پست ہمتی اور علم دین کی مکمل معلومات حاصل کرنے سے پہلو تہی پر محمول فرماتے، آپ نے پوری شفقت و توجہ سے اس کے اس سوال کا جواب دیا، اور فرمایا:-

لا يزال لسانك رطبا من ذكر الله خدا کے ذکر سے تمہاری زبان ہمیشہ

عزوجل

تر رہے۔

حضرت ابو عمرو (یا ابو عمر) سفیان ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ

لے ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل الذكر۔

میں نے عرض کیا:-

یا رسول اللہ، قل لی فی الاسلام
قولا لأسأل عنه أحدا غیرہ۔
اے اللہ کے رسول! اسلام کے بارے
میں مجھے ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر کسی
سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

آپ نے فرمایا:-

قل امنت باللہ ثم استقم۔
ایک مرتبہ (سوچ سمجھ کر اور عزم و فیصلہ
کے ساتھ) کہہ دو کہ میں اللہ پر ایمان لایا
پھر اس پر مضبوطی سے جم جاؤ۔

یہ اور اس قسم کی روایات ان حضرات کے لئے قومی محرک اور ولولہ انگیز بن گئیں
جنہوں نے مسلمانوں کے نفع عام کے لئے ایک جامع کتاب تالیف کرنے کا بیڑہ اٹھایا،
جو بقدر امکان ضروری دینی معلومات، روزمرہ کے فرائض و اعمال، اسلامی اخلاق اور
انفرادی و اجتماعی زندگی کی ہدایات پر مشتمل، اور ایک اوسط درجہ کے مسلمان کے لئے
کافی اور شافی ہو، اور جس کو زندگی کا دستور العمل بنایا جاسکے۔

اس ضرورت کا جس کو (ہمارے علم و مطالعہ کی حد تک) سب سے پہلے اور واضح طور پر
احساس ہوا، اور اس نے اس ضرورت کی تکمیل کے لئے مؤثر عملی قدم اٹھایا، وہ حجۃ الاسلام
ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (امام غزالیؒ - متوفی ۵۰۵ھ) کی عظیم شخصیت ہے، جنہوں نے
اپنی مشہور اور لازوال کتاب "احیاء علوم الدین" (جو عام طور پر احیاء العلوم کے نام
سے معروف ہے) تصنیف کر کے ایک اہم اور مفید سلسلہ کا آغاز کیا، انہوں نے یہ کوشش کی کہ

۱۔ صحیح مسلم۔

یہ کتاب طالبین و مترشدین کے لئے ایک دینی اتالیق اور مربی کا کام دے، اور بڑی حد تک اسلامی کتب خانہ کی نمائندگی اور قائم مقامی کرے، انھوں نے اس میں عقائد، مسائل، تزکیہ نفس، باطنی تربیت، اصلاح اخلاق، اور مرتبہ احسان، اور اس کے حصول کے طریقوں سے بحث کی ہے، فضائل کی احادیث، وعدوں اور وعیدوں کی آیات و روایات، مؤثر حکیمانہ مواعد، اور قلب میں سوز و گداز پیدا کرنے والی حکایات کو کتاب میں جگہ دی، اس کا نتیجہ ہے کہ یہ کتاب ایمان، عمل صالح، اور تصفیہ باطن کے لئے ہمیز کا کام کرتی ہے، روحانی امراض کی نشان دہی کرتی، اور اس کا مناسب علاج تجویز کرتی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ کتاب میں باریک بین ناقدین کو ان کے فلسفیانہ مطالعہ کے (اگرچہ وہ خود اس کے بڑے ناقد رہے ہیں) اثرات نظر آجائے ہیں، اور یہ کہیں ایسی احادیث سے استدلال بھی ہے، جو محدثین ناقدین کے یہاں ضعیف شمار ہوتی ہیں، بعض اور قابل تنقید باتیں بھی تلاش کرنے والوں کو مل سکتی ہیں، لیکن اس کے باوجود سب اہل نظر اور اہل انصاف کتاب کی تاثیر و افادیت کے قائل و معترف ہیں، حتیٰ کہ علامہ ابن الجوزیؒ، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے ناقدین نے بھی کتاب کی اہمیت و قدر و قیمت کا کھلے طریقہ پر اعتراف کیا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، کہ اس کتاب کو جو قبول عام حاصل ہوا، اور اس کے ساتھ دینی و علمی حلقوں میں جو اہتمام برتا گیا، اور جس جوش و خروش سے اس کا استقبال کیا گیا، اور جو شہرت و مرجعیت و اعتماد اس کو حاصل ہوا، وہ صحاح ستہ اور چند دینی کتابوں کو مستثنیٰ کر کے کسی کتاب کے بارے میں نہیں سنا گیا، دنیاۓ اسلام کے اطراف و اکناف میں نسل در نسل، اور عہد بعہد

۱۔ ملاحظہ ہو علامہ ابن الجوزی کی المنظم ج ۹ ص ۱۶۹۔ ۱۷۰ طبع دائرة المعارف حیدرآباد ۱۳۵۲ دیکھئے

فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۹۵

لوگوں نے اس کتاب کو مشعل راہ اور زندگی کا دستور العمل بنایا۔

امام غزالیؒ کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی (م ۷۵۹ھ) جیسے امام فن اور نقاد اور تلبیس ابلیس جیسی ناقدانہ اور محتبانہ کتاب کے مصنف کو بھی اس کی تلخیص و ترتیب جدید کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا نام انھوں نے منہاج القاصد رکھا، بڑے بڑے علماء نے احیاء العلوم کی شرحیں لکھیں اور مختلف طریقوں سے اس کی خدمت کی، حافظ زین الدین عراقی مصنف الالفیۃ (الفیۃ حدیث) نے احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج کی، اور ان پر محدثانہ کلام کیا، اور فخر ہندوستان علامہ سید تقی بلگرامی (م ۱۲۵۰ھ) نے بیس جلدوں میں اس کی شرح کی جس کا نام "اتحاف سادة المتقين شرح احیاء علوم الدین" رکھا، یہ کتاب حدیث وفقہ و کلام و تصوف میں (احیاء کی شرح کے دائرہ میں رہتے ہوئے) ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہے۔

احیاء العلوم کی اساس پر سلوک و تربیت کے میدان میں بھی ایک جداگانہ مکتب فکر اور سلسلہ اصلاح و تربیت بھی وجود میں آیا، جس کو "طریقہ غزالیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور جو حضرموت اور بعض دوسرے عرب ممالک میں رائج رہا ہے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کے طرز پر ایک کتاب فارسی زبان میں بھی تصنیف فرمائی، جس میں سہولت و اختصار اور عجیبوں کے معیار تعلیم اور ضروریات و حالات کا خیال رکھا، گویا کہ وہ احیاء العلوم کی فارسی میں تلخیص ہے، اس کا نام "کیمیائے سعادت" رکھا۔

۱۔ اس کی بھی تلخیص ابن قدامہ مقدسی نے مختصر منہاج القاصدین کے نام سے کی ہے۔

اس کتاب کو بھی فارسی داں اور فارسی خواں، دینی طبقوں میں جو اختصار و سہولت کے طالب تھے، قبول عام اور رواج تام حاصل ہوا۔

• اچماء علوم الدین کے بعد اس تصنیفی رجحان کی آئینہ دار، زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کی کامیاب اور مبارک کوشش، اور طالبین اصلاح و تربیت اور خاص طور پر ان سالکین و مسترشدین کی رہنمائی کا قیمتی سامان (جنہوں نے کسی مربی و مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، اور جو شریعت و سنت کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں) سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ (م ۵۶۱ھ) کی کتاب "غنیۃ الطالبین" ہے۔ کتاب کا اصل نام "الغنیۃ لطالبی طریق الحق عزوجل" ہے، اس کتاب کی خصوصیت ہے کہ اس کو امت کے ایک مقبول ترین دینی پیشوا، اور روحانیت کے امام سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے وابستگان، ارادت مندوں، اور بعد کے آنے والے طالبین صادقین کی خاطر تصنیف کیا تھا، اس میں فرائض و سنن، ان کے آداب، خدا تعالیٰ کی معرفت کے آفاقی و انفسی دلائل و آیات، قرآن پاک و احادیث نبویہ کا عطر، سلف صالحین کے اخلاق فاضلہ و کیفیات عالیہ کے دل آویز اور سبق آموز واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں، تاکہ راہ خدا اس کی روشنی میں طے کی جاسکے، احکام خداوندی کی تعمیل کی جائے، اور منہیات سے پرہیز کیا جائے، کتاب میں ایک مسلمان کے لئے طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کے ضروری احکام، اور کتاب و سنت اور سیرت نبوی سے ثابت شدہ اسلامی آداب بھی آگئے ہیں۔

لے امام غزالیؒ کا اسی موضوع پر ایک مختصر رسالہ عربی میں "بداية الهداية" کے نام سے ہے جس کو حواشی کے ساتھ حلب کے ایک عالم شیخ محمد الحجار نے ایڈٹ کیا ہے، اور حلب کے مکتبہ الدعوة نے اس کو شائع کیا ہے، یہ رسالہ بھی مفید اور دین آموز ہے۔

یہ کتاب ہر اس شخص کے لئے رہنما اور مرشد کا کام دے سکتی ہے جس کو فقیہ کامل اور اصلاح باطن کے لئے طیب حاذق میسر نہ ہو اساتذہ ہی ساتھ اس میں کتاب کے عانی مرتبت مصنف نے اپنے ذاتی تجربات اور اوراد بھی بیان کئے ہیں ان تمام مباحث میں وہ مجاہد سنت پر ثابت قدم، بلند پایہ فقیہ اور مذہب حنبلی کے ایک جید عالم کی حیثیت سے جلوہ گر نظر آتے ہیں انھوں نے کتاب میں ایک باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی شامل کیا اور اہل سنت کے عقائد کی شرح امام احمد بن حنبل کے قبح متکلمین کے مذہب پر کی ہے، خاص طور پر صفات باری تعالیٰ کے مسئلہ اور فرق ضالہ کی تردید میں انھیں کی ترجیحی ہے۔ حضرت شیخؒ نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ اس کتاب میں مجالس و عطا و ارشاد کو بھی شامل کیا جائے اور دونوں اور مہینوں کے فضائل بھی ذکر کر دیئے جائیں تاکہ یہ کتاب ان مجالس ذکر و عطا کی بھی کسی حد تک قائم مقام ہو جائے جن کی بغداد میں دھوم مچی ہوئی تھی اور جن سے مردہ دلوں کی سیمائی کا کام لیا جا رہا تھا، ان فصول و ابواب میں انھوں نے (خالص مخزن کے طرز سے ذرا ہٹ کر) افادہ عام کے لئے قدرے توسع سے کام لیا ہے کتاب کا اختتام مریدین کے آداب و اخلاق کے بیان پر ہوا ہے۔

یہ کتاب حضرت موصوف کے حلقہ بگوش مریدین و متبعین اور ان تمام لوگوں کے لئے دستور العمل رہی ہے جو کتاب و سنت اور عقیدہ سلف کی روشنی میں اپنی زندگی کو ضبط و منظم کرنا چاہتے ہیں اور اصلاح اخلاق اور صفائی باطن کا شوق رکھتے ہیں اس کتاب سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد ایشیا اور افریقہ دونوں براعظموں میں لاکھوں تک پہنچتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اسی ارادہ اور قصد سے محدث جلیل اور عربی لغت کے ماہر و محقق علامہ محمد الدین

فیروز آبادی (م ۱۱۷ھ) مصنف القاموس نے اپنی کتاب "سفر السعادة" تصنیف فرمائی جس میں انھوں نے اختصار کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر روشنی ڈالی عبادات و معاملات اور زندگی کے مختلف حالات میں آپ کی سنتیں، تعلیمات اور ارشادات ذکر کئے ہیں، اخلاق و خصائل نبوی کا تذکرہ کیا، اس طرح یہ کتاب انفرادی و اجتماعی زندگی میں سیرت طیبہ اور سنت مطہرہ کے گرد گردش کرتی ہے جس کو ایک مسلمان (جو سنن و آداب اور زندگی میں طریقہ نبوی کے معلوم کرنے کا خواہشمند ہے) اپنی زندگی کا دستور العمل بنا سکتا ہے، مصنف نے طب نبوی کو بھی کتاب میں شامل کیا ہے، کتاب متوسط سائز کے ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

لیکن اس سلسلہ کی سب سے بڑی کوشش اور اس موضوع اور مقصد پر سب سے زیادہ مقبول و مشہور کتاب "زاد المعاد فی ہدیٰ خیر العباد" ہے جس کے مصنف علامہ حافظ ابن قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) ہیں، یہ کتاب سیرت و سنت، فقہ و کلام اور تزکیہ و احسان کے مختلف و متنوع مباحث پر مشتمل ہے، غالباً "احیاء العباد" کے بعد کوئی کتاب اصلاح و تربیت کی غرض سے اتنی جامع نہ لکھی گئی ہوگی، جہاں تک تحقیق و استناد اور کتاب و سنت سے مطابقت کا تعلق ہے، وہ اول الذکر سے بھی فائق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے دینی کتب خانہ کے دریا کو اس کتاب کے کوزہ میں بند کرنے کی کوشش کی ہے، یہ کتاب ایک مرتبی و مرشد اور فقیہ و محدث کی نیابت کا حق ادا کرتی ہے، حدیث کا ذوق رکھنے اور سنن و آداب نبوی کا اہتمام کرنے والے طالبین اور علماء نے اس کتاب کو ہمیشہ عزیز جان

لے، کتاب کا اصل نام "صراط مستقیم" معروف "سفر السعادة" ہے، اصلاً وہ فارسی زبان میں ہے، نویں صدی ہجری کی ابتداء میں ابوالجود محمد بن محمود غزوی نے اس کو عربی میں منتقل کیا۔

بنایا، یہ کتاب علوم اسلامیہ، حدیث، فقہ، کلام اور نحو و صرف کا "عطر مجموعہ" ہے اور ان اسلامی کتابوں میں اس کا شمار ہے جو ایک ایسے کثیر الفنون متبحر عالم کی نمائندگی کرتی ہیں جس کو علوم میں محققانہ دستگاہ حاصل ہو۔

انہیں کتابوں میں جو اسی مقصد (دینی رہنمائی اور اخلاقی تربیت) کے لئے لکھی گئیں علامہ محمد بن ابی بکر سمرقندی (جو رکن الاسلام اور واعظ القوم کے لقب سے ملقب ہیں) کی کتاب "شرعہ الاسلام الی دار السلام" ہے اپنی کتاب کے تعارف میں وہ خود فرماتے ہیں:-

"یہ وہ کتاب ہے جس کی نو بہا لان اسلام کو سب سے پہلے ملتقین کرنی چاہئے اور

اہل یقین کو پیش نظر رکھنی چاہئے، بلکہ سالک راہ حق کو (اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ

ہو اے نفسانی اس کو ہلاکت کے غار میں نہ پھینک دے) اس کے بغیر چارہ کار نہیں"

مصنف کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خاندان کی آئندہ نسلیں اس کتاب

سے فائدہ اٹھائیں اور اس کو اپنے لئے رہنما بنائیں، مصنف نے سنت سے ثابت شدہ

صحیح دینی عقائد بیان کئے ہیں اور اس سلسلہ میں محققین سلف اور سنت کے پر جوش

داعیوں کا طرز اختیار کیا ہے، پھر علماء کے اخلاق سے بحث کی ہے، اپنے تجربات اور

نتائج غور و فکر بھی پیش کئے ہیں، مصنف کی حسن نیت اور صلاح کے باوجود کتاب میں

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ دوم، تذکرہ علامہ ابن قیم اور ان کی کتاب

ادامہ دکان تجارت" لے ہمارے پاس جو کتب سیر و تراجم ہیں ان میں مصنف کے حالات کا پتہ

نہ چیل سکا، اس لئے ان کے زمانہ اور سنہ وفات کی تحدید نہیں کی جاسکتی، مؤلف "کشف الظنون" نے

البتہ ان کی کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بڑی عمدہ اور بہت مفید کتاب ہے، اس کتاب کا انکشاف

ہمارے فاضل دوست محمد زہرا (سید نبیرہ بیگم) نے کیا، وہی اس کو ایڈٹ کر کے شائع کر رہے ہیں

ایسا مواد بھی پایا جاتا ہے جو علم حدیث اور فن نقد کی روشنی میں محل نظر ہے۔

مقبول عام اور آسان کتابوں میں جن سے اپنے دور میں بے شمار انسانوں نے فائدہ اٹھایا، یہی وہی وقت قاضی ثناء اللہ شریانی پتی (م ۱۳۲۵ھ) کی کتاب "مالابذ عنہ" ہے جس میں پہلے ان عقائد کا تذکرہ (جو اہل سنت و الجماعت کا شعار ہیں) بسوہ طریقہ سے کیا گیا ہے، پھر نماز کی فضیلت، طہارت کے مسائل، نماز کے تفصیلی احکام، زکوٰۃ و روزے کے احکام، حج کا اجمالی تذکرہ ہے، مسائل و احکام وہ انتخاب کئے گئے ہیں جن کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے اور جن میں ابتلائے عام ہے، کچھ نادر مسائل بھی ذکر کئے گئے ہیں، ایک خاص فصل تقویٰ کے موضوع پر ہے، اس میں زمانہ کی روح کا لحاظ کیا گیا ہے اور عام انفرادی و اجتماعی امراض، بیع و شراء کے طریقے، شرعی اور غیر شرعی معاملات کی نشان دہی کی ہے، جو مصنف علام کے زمانہ میں رائج تھے، ایک فصل معاشرت کے آداب، حقوق العباد اور اپنے زمانہ کی پھیلی ہوئی ان منہیات و معاصی پر ہے، جن کو لوگ حقیر و سہوون سمجھتے ہیں، اس میں ردائل اخلاق، نفس کے فتنوں اور جاہلی رسم و رواج کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اخلاق عالیہ سے متصف ہونے کی تاکید کی گئی ہے، پھر ایک فصل تزکیہ و احسان، اخلاص اور دین کے مغز و حقیقت کے حصول کے موضوع پر ہے، (جس کو تصوف کا خلاصہ کہنا چاہئے) اور یہ سب بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اور "عقلندہاں را اشارہ کافی ست" کے اصول کے مطابق ہے۔

کتاب کا امتیازیہ ہے کہ اس میں صرف وہ ضروری باتیں آئی ہیں جن سے نفیست

لے آپ کے حالات و کمالات و مقام و مرتبہ معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو ان کا تذکرہ نزہۃ الخواطر

جلد ہفتم۔

اوسط درجہ کے اور مشغول مسلمان کے لئے لایہی ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو بلوغ اور عدم بلوغ کے عوری دور سے گزر رہے ہیں، اسی لئے یہ کتاب تقریباً ایک صدی سے زائد ہندوستان کے تریف گھرانوں اور دین دار خاندانوں میں نصابی کتاب کی طرح پڑھی پڑھائی جاتی رہی، کتاب فارسی زبان میں ہے، جو برصغیر ہند کی اس عہد میں علمی و تعلیمی زبان تھی، کتاب متوسط سائز کے ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس موضوع پر اور اس مقصد کے پیش نظر بہترین کتابوں میں سے جس کا اپنے عہد کے اخلاق و اعمال پر گہرا اثر پڑا، اور جس کی افادیت بہت وسیع اور دور رس ثابت ہوئی، "صراط مستقیم" ہے، جو تیرہویں صدی ہجری کی جہاد و اصلاح کی سب سے بڑی تحریک کے قائد و امام، مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ (ش ۱۲۴۱ھ) کے ملفوظات و افادات کا مجموعہ ہے، جس کو ان کے رفیق و وزیر مولانا محمد اسماعیل شہید (ش ۱۲۴۶ھ) اور سید صاحب کے خلیفہ اکبر مولانا عبدالحی بڑھانوی (م ۱۲۴۳ھ) نے فارسی میں مرتب کیا، اس کتاب میں "صراط مستقیم" پر گامزن ہونے، شریعت اسلامی پر مضبوطی کے ساتھ جے رہنے اور سنت نبویہ پر کار بند ہونے کے سلسلہ کی بڑی روشن تعلیمات و واضح ہدایات ہیں، اس میں طریق ولایت پر طریق نبوت اور تقرب بالنوافل پر تقرب بالفرائض کی فضیلت اور برتری کو ثابت کیا گیا ہے، عقائد کی تصحیح، توحید خاص کی تعلیم، شرک و بدعت کی (ان کے تمام انواع و اقسام کے ساتھ) تردید کتاب کا خاص امتیاز ہے، خاص طور پر ان بدعتوں کی نشان دہی کی گئی ہے، جو سید صاحب کے دور میں صوفیوں، عابدوں، اور زاہدوں کے حلقے میں رواج پذیر تھیں، اور جو عقولات سے اشتغال رکھنے والوں، احماد کے علم برداروں

اور باطنیت سے متاثر صوفیوں، اہل تشیع اور غالی بدعتیوں کے اثر سے مسلم معاشرہ میں پیدا ہوئیں، اور سبزہ خود رو کی طرح پوری زندگی پرچھا گئیں، اسی طرح غمی، خوشی کے موقع پر پائی جانے والی وہ جاہلی عادات و رسوم جو غیر مسلموں کے اختلاط کے اثر سے مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو گئی تھیں، اور اسلامی معاشرہ کا حلیہ بگاڑ رہی تھیں، اور کتاب و سنت سے بعد و ناواقفیت کے باعث، اور خاص طور پر حدیث کے بعد و اشتغال کی کمی کی وجہ سے زندگی میں جراثیم کی طرح پھیل رہی تھیں، اس کتاب میں ان سے مقابلہ اور ان سے تحفظ کی دعوت دی گئی ہے، اور مسلم معاشرہ کو ان سے پاک کرنے کا علاج تجویز کیا گیا ہے، اس کے بعد تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس، اور روحانی معالجات پر روشنی ڈالی گئی ہے، وصول الی اللہ اور قرب عند اللہ کے مقصد اور انسانی و ایمانی کمالات کے حصول کی راہ میں جو گھاٹیاں پڑتی ہیں، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور ان پر قابو پانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

اس کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں اذکار و عبادات، اصلاح عقائد و سلوک کے بیان کے ساتھ دعوت و تبلیغ، راہ خدا میں جہاد، عزیمت پر عمل، امت کی فکر، خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے، اور اس کے دین کے پرچم کو لہرانے اور اس کے تمکین فی الارض کی عملی تیاری کی دعوت بھی بلند آہنگی سے دی گئی ہے، اہم اصلاحی و تربیتی کتابوں کی فہرست میں حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی کتاب "تعلیم الدین" بھی آتی ہے، جو ایک سو چوالیس صفحات پر مشتمل ہے، وہ عقائد، ایمانیات، اعمال و عبادات، معاملات، آداب معاشرت اور سلوک و طریقت کے بارے میں اہم ہدایات پر حاوی ہے، ان کی اس سے زیادہ جامع

اور مقبول و مشہور کتاب مہشتی زیور ہے، جس نے دین کی عمومی تعلیم و تربیت، اصلاح حال اور اصلاح رسوم کے میدان میں انقلابی کردار ادا کیا ہے، کتاب صلاً مسلمان بچیوں اور خواتین کے لئے لکھی گئی تھی، لیکن اس سے طلبہ و علماء بھی استفادہ کرتے ہیں، اور وہ گھروں میں ایک متوسط درجہ کے مفتی، اور ایک اچھے قسم کے دینی اتالیق اور واعظ کا کام دیتی ہے، اردو میں کم کتابیں ہوں گی، جس کے اتنے ایڈیشن شائع ہوئے ہوں گے، اور اس تعداد میں چھپی ہوگی، جس تعداد میں یہ کتاب چھپی۔ دور حاضر میں اس موضوع کی اہمیت اور موجودہ نسل کو اس کی ضرورت اس لئے اور بڑھ گئی ہے کہ یہ دور اختصار پسند واقع ہوا ہے، وقت کی قدر و قیمت اور اس کی برق رفتاری کا احساس، ذکاوت حس کی حد تک پہنچ گیا ہے، ہر چیز اور طویل، محنت طلب اور دقیق کتاب کے مطالعہ سے گریز اس دور کا عام مزاج بن گیا ہے، اسی کے ساتھ موجودہ نسل کسی حد تک ضعیف القویٰ اور قاصر الہمت بھی نظر آتی ہے، تمدن کی پچیدگیوں، اور زندگی کے لامتناہی مطالبات نے مطالعہ اور استفادہ کے خواہش مندوں کو اور بھی اختصار و اجمال پسند بنا دیا ہے۔

اس لئے عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ایک نئی کتاب تیار کی جائے، جو گذشتہ کتابوں کی قائم مقامی کا کام انجام دے، کیونکہ ہر دور کی (باوجود وحدت زبان کے جو نسلوں اور صدیوں تک قائم رہتی ہے) ایک خاص زبان ہوتی ہے، جس کے بغیر ابنائے زمانہ کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے، پھر ہر دور کی الگ نفسیات، نئی بیماریاں اور کمزوریاں، اور ذہن و طبیعت کے چور دروازے ہوتے ہیں، اسلامی تصورات

لے اسی بنا پر بعض لوگ اس عہد کو (SANDWICH AGE) کہنے لگے ہیں۔

خارجی اثرات سے متاثر ہوتے رہتے ہیں، بڑے بڑے مصلحین و مخلصین کو بھی اپنے اپنے دور میں اس کی رعایت کرنی پڑی ہے، دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد کا زمانہ یونانی فلسفہ اور اس دور کی عقلیت پرستی سے متاثر ہوا، اور آج کا دینی ذہن اور تعلیم یافتہ نوجوان، مغرب کے سیاسی فلسفوں، اجتماعی و اقتصادی نظاموں، اور زندگی و معاشرہ کی تنظیم جدید کے طریقوں سے متاثر ہو رہا ہے، وہ منفرد کتاب جس کی تازگی میں کبھی فرق نہیں آتا، اور گردش زمانہ اس پر اثر انداز نہیں ہوتی، وہ صرف خدا تعالیٰ کی لازوال و معجز کتاب قرآن ہے، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثابت شدہ صحیح احادیث کا بے بہا ذخیرہ، ان کے علاوہ ہر کتاب قانونِ تغیر میں جکڑی ہوئی، اور اصلاح و ترمیم، حذف و اضافہ، اور انتخاب و تلمیص کی محتاج ہے۔

راقم کے بعض مخلص دوست ایک زمانہ سے مشورہ دے رہے تھے، بلکہ اصرار کر رہے تھے کہ وہ اس موضوع پر ایک کتاب ترتیب دے، جس سے موجودہ نسل کے لوگ فائدہ اٹھائیں، اسے زندگی کا دستور العمل اور رہنما بنائیں، جس طرح مختلف دوروں میں اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا، میں جب اس موضوع پر لکھنے والے قدیم علماء کی زیریں فہرست پر نظر ڈالتا، اور ان کی جلالت شان، اخلاص، اور علمی مقام کا خیال کرتا، تو اپنی فرومایگی اور بے بضاعتی اس موضوع پر قلم اٹھانے سے مانع و عنان گیر ہوتی، پھر ضروری تصنیفی پروگرام، علمی مشغولیتیں اور طویل سفر، اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کا بھی موقع نہیں دیتے تھے، لیکن بالآخر ذاتی مطالعہ، زندگی کے تجربات، اور جدید اسلامی لٹریچر میں اس خلا کی موجودگی کے

احساس و مشاہدہ نے خود اس کی تحریک کی اور اپنی بضاعت و صلاحیت کے مطابق اس کام کو انجام دینے کے لئے شرح صدر ہو گیا، بلکہ یہ احساس ہونے لگا کہ اس کام میں مزید تاخیر ایک ہم دینی فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرادف ہوگی جس پر شاید محاسبہ ہوا اس لئے خدا نے تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اور استخارہ اور دعا کے بعد کام شروع کر دیا گیا جو (چند در چند موانع کے باوجود) محض توفیق الہی سے پایہ تکمیل کو پہونچا۔

کتاب میں ذاتی تجربات کا خلاصہ اور مطالعہ کا پتھر بھی پیش کر دیا گیا ہے جو دعوت و تصنیف کے عملی تجربوں اور امت کے مختلف طبقات سے عملی واقفیت پر مبنی ہے اپنی گذشتہ تصنیفات کے ان اقتباسات کے پیش کرنے میں بھی تامل سے کام نہیں لیا گیا، جو مقصد و مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لئے زیادہ موزوں و مناسب تھے، اللہ تعالیٰ کی کریم اور نکتہ نواز ذات سے امید ہے کہ اس کتاب سے مصنف کو بھی نفع حاصل ہوگا، اور ان طالبین صادقین کے لئے بھی مفید و کارآمد ثابت ہوگی، جو اس کو عمل اور قائمہ کی نیت سے پڑھیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم الشریعتی رائے پری

۲۷ شعبان ۱۴۰۲ھ
۳۱ مئی ۱۹۸۲ء

دین (اسلام) کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات

اس کائنات میں ہر زندہ اور متحرک شے کا ایک خاص مزاج، کچھ نمایاں خصوصیات اور ابھرے ہوئے خط و خال ہوتے ہیں جن سے اس کی شخصیت کی تشکیل اور اس کا تعین ہوتا ہے اور وہ اس کی صفات متمیزہ قرار پاتی ہیں اس میں افراد، جماعتیں، ملتیں اور قومیں مذاہب اور فلسفے یکساں طور پر شریک ہیں وہ سب اپنی کچھ امتیازی خصوصیات اور نمایاں علامات رکھتے ہیں اس لئے یہ دریافت اور تحقیق حق بجانب ہے کہ اس دین اسلام کی صفات متمیزہ اور اس کی شخصیت کے صحیح خط و خال کیا ہیں؟ دین کی تفصیلاً سیما ت ہدایات اور عین قوانین و ضوابط کے مطالعہ اور جستجو سے پہلے ہمیں اس حقیقت سے باخبر ہو جانا چاہئے کیونکہ دین سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانے اور اس کے رنگ میں لگ جانے کے لئے یہی فطری طریقہ اور اس کے قفل کی شاہ کلید ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ دین ہم تک حکیموں اور دانشوروں ماہرین قانون، علمائے اخلاق و نفسیات، کشور کشا اور قانون ساز، بانیان سلطنت، جناباں گھوڑے دوڑانے والے فلاسفہ اور طالع آزمایا سیاسی رہنماؤں اور ملکوں اور قوموں کے قائدین کے ذریعہ نہیں پہونچا، یہ دین ہم تک ان انبیاء کے کرام کے ذریعہ

پہونچا ہے جن کے پاس خدائے تعالیٰ کی وحی آتی تھی، اور جن کا سلسلہ خاتم النبیین
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ختم ہو چکا ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر
عرفات کے دن یہ آیت نازل ہوئی تھی:-

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَارْتَمَتْ

آج ہم نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا،

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمْ

اور اپنی نعمت تم پر چوری کر دی اور

الْإِسْلَامَ دِينًا (مائدہ-۳)

تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اور جن کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات

اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝

نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے

(النجم-۳-۴) جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار عقیدہ پر زور اور اصرار اور
سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء کے کرام ایک معین عقیدے کی (جو ان کو وحی کے
ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے اور اس کا مطالبہ کرتے رہے اور اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت
یا دست بردار پر تیار نہ ہوئے، ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ
انسانی کردار کا حامل، نیکی و صلاح، سلامت روی اور معقولیت کا زندہ پیکر اور مثالی
مجسمہ خواہ اس سے کسی بہتر حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود اور کسی مفید انقلاب
کا ظہور ہوا ہو، اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا، جب تک وہ اس عقیدہ کا
ماننے والا نہ ہو، جس کو وہ لے کر آئے اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے اور

جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں،
یہی وہ حد فاصل اور واضح روشن خط ہے، جو انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
کی دعوت اور قوی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں اور ہر اس شخص کے درمیان
کھینچ دیا گیا ہے جس کا سرچشمہ فکر و نظر انبیاءِ کرام کی تعلیمات اور سیرتوں کے بجائے
کوئی اور ہو۔

قرآن مجید جو تحریف سے محفوظ اور قیامت تک باقی رہنے والی واحد آسمانی کتاب
ہے اور سیرت خاتم النبیین جو انبیاءِ کرام کی سیرتوں میں تنہا وہ سیرت ہے جس پر
تاریخی و علمی طور پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور جس سے ہر دور میں عملی استفادہ ممکن ہے اس حقیقت
اور دعویٰ کے بکثرت شواہد و دلائل فراہم کرتے ہیں ذیل میں صرف چند مثالوں پر اکتفا
کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و خلیل
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تحمل اور نرم دلی کی خاص طور پر تعریف کی ہے:-
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمًا أَوَّاهًا بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے نرم دل

اے موجودہ دور کے بگڑے ہوئے حالات سے دل برداشتہ بہت سے لوگوں کے اندر یہ مزاج پیدا ہو گیا ہے کہ
وہ ہر اس شخص کے جو انقلاب کا نعرہ لگائے یا کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرے، عقیدہ کے ہر بگاڑ، اور افکار
و نظریات کی ہر کجی اور انحراف کو معاف کر دیتے ہیں اور عقیدہ کے مسئلہ سے بالکل صرف نظر کر لیتے ہیں
بلکہ ان لوگوں کو بہت ملامت بنا لیتے ہیں اور کبھی باطل طاقتوں سے ساز باز کر لینے کا الزام بھی
لگاتے ہیں جس موقع پر یہ عقیدہ کی بحث کو اٹھائیں اور اس شخص کے عقائد کے بارے میں کوئی سوال
کریں، یہ طرز فکر اور طرز عمل صحیح دینی مزاج اور نبوی طریق سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

مُنِيبٌ ۝ (سورہ ہود - ۷۵) اور رجوع کرنے والے تھے۔

اور ان کے رفقاء و تبعین کا طرز عمل، اصول زندگی اور مزاج و مذاق، اسی طرح بیان فرمائیے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي
إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا
لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُوكُمْ وَمِمَّا
تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ تَكْفُرًا لَّكُمْ
وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ
وَالْبُغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا
بِاللَّهِ وَحَدَّثْنَا إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ
لَا يَبِيرُ لَا تَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا
أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ
رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ
اتَّبَعْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ
(سورہ الممتحنہ - ۴)

تمہیں ابراہیمؑ اور ان کے رفقاء کی
نیک چال چلنی (ضرور) ہے جب
انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ
ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم خدا
کے سوا پوجتے ہو، بے تعلق ہیں (اور) تمہارے
معبودوں کے کبھی (قائل نہیں ہو سکتے
اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان
نہ لاؤ ہم میں تم میں، شے کھلم کھلا عداوت
اور دشمنی رہے گی، ہاں ابراہیمؑ نے اپنے
باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے
لئے مغفرت مانگوں گا، اور میں خدا
کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا
کچھ اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے پروردگار

اے شاید بعض دلوں میں یہ غلجیان پیدا ہو کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بت پرست باپ کے دعا اور استغفار کا وعدہ کیوں کیا؟ اس کا جواب سورہ براءۃ کی آیات ۱۱۳-۱۱۴ میں موجود ہے کہ انہوں نے اس وعدہ کا ایفا کیا، لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے، اور انہوں نے اظہار براءت کیا، اور اب ہمیشہ کے لئے یہی اصول بتا دیا گیا۔

تجھی پر سہارا بھروسہ ہے اور تیرے ہی
طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی
حضور میں ہمیں لوٹ جانا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت اور اس کے وصل و فصل کا معیار ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ
کیا ہو سکتا ہے کہ سورۃ الکافرون کرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب حالات نری
تلطف اور عبادت و عقیدہ کی بنیاد پر دشمنی پیدا نہ کرنے اور اس مسئلہ کو اس وقت تک
کے لئے ملتوی رکھنے کے متقاضی تھے جب اسلام کو طاقت حاصل ہو جائے، اور
معتدل و پرسکون حالات ہوں، لیکن قرآن صاف صاف کہتا ہے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھل کر اعلان کرتے ہیں:-

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ	اے پیغمبر ان منکران اسلام سے کہہ کر
مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ	اے کافرو جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو
مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنْأَعِبِدُ مَا هَبَدْتُمْ	میں نہیں پوجتا اور جس (خدا) کی میں عبادت
وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ	کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے
لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝	اور میں پھر کہتا ہوں کہ جن کی تم پرستش
(سورۃ الکافرون)	کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا

نہیں ہوں اور نہ تم اس کی بندگی کرنے
والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی
کرتا ہوں، تم اپنے دین پر میں اپنے

واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس کا مستحق تھا کہ اس کے عقیدہ سے صرف نفاذ کیا جائے
 کیونکہ وہ زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سینہ سپر اور جان و مال سے قربان
 رہا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب تھے، سیرت نگار بالاتفاق ان کے
 باپے میں لکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سپر اور حصار بنے ہوئے تھے،
 اور اپنی پوری قوم کے خلافت، آپ کے مُمد و معاون، اور ناصر و حامی تھے، لیکن صحیح روایتوں
 سے یہ ثابت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطالب کی موت کے وقت
 جب کہ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس تشریف لے گئے
 اور فرمایا کہ اے چچا آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے، میں اس کلمہ کی خدائے تعالیٰ کے یہاں گواہی
 دوں گا، تو ابو جہل اور ابن ابی امیہ کہنے لگے، ابوطالب ابی تم عبد المطلب کے مذہب سے روگردانی
 کرو گے؟ تو ابوطالب نے یہ کہتے ہوئے جان دی کہ عبد المطلب کے مذہب پر ہوں، صحیح روایت
 میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ
 ابوطالب آپ کی حفاظت اور مدد کرتے تھے، اور آپ کے باپے میں ان کے اندر بڑی حمیت تھی،
 جس کی بنا پر وہ لوگوں کی رضامندی اور ناز و ضلگی کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے، تو کیا اس کا
 فائدہ ان کو پہونچے گا؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کو آگ کی لپٹوں میں پایا اور معمولی آگ
 تک نکال لایا۔

سی طرح امام مسلم نے بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں
 میں نے کہا اے اللہ کے رسول ابن جددان جاہلیت کے زمانہ میں بڑی صلہ رحمی کرتے تھے، مکیوں
 اور غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، تو کیا ان کے لئے یہ سود مند ہوگا؟ آپ نے فرمایا، نہیں! ان کو

اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ انھوں نے کبھی نہیں کہا کہ رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي
يَوْمَ الدِّينِ (اے میرے رب روفہ جزا کو میرے گناہ بخش دیجئے گا)۔

اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری
روایت ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کی طرف روانہ ہوئے،
اور جب مقام حرقہ الوبرة پر پہنچے تو ایک شخص آیا جس کی جرعت اور بہادری مشہور زمانہ تھی،
اس کو دیکھ کر صحابہ کرام کو بڑی مسرت ہوئی کہ اس سے شکر اسلام میں جو صرف تین سو تیرہ
افراد پر مشتمل تھا، ایک موقع اضافہ ہوگا، اس وقت ایک آدمی کی بھی بڑی قیمت تھی، چہ جائیکہ
ایک آزمودہ کار سپاہی، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو اس نے
عرض کیا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھ چلوں، اور مال غنیمت میں شریک ہوں،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے
کہا نہیں! آپ نے فرمایا واپس جاؤ، اس لئے کہ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لے سکتا، حضرت عائشہ
کہتی ہیں کہ وہ کچھ دور چلا یہاں تک کہ ہم لوگ جب مقام شجرہ پر تھے، پھر آیا، اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی پہلی بات عرض کی، آپ نے وہی پہلا جواب دیا، فرمایا جاؤ
میں مشرک سے مدد نہیں لیتا، وہ چلا گیا، اور سیداء پہنچنے پر پھر آیا، آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ
اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا، تو چلو!

۲۔ دوسری بات یہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی (جن میں سرفہرست
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے) دعوت و تبلیغ، اور جہد و جہاد کا

حقیقی محرک اور سبب محض خدائے تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی طلب ہوتی ہے یہ ایک ایسی تیز تلوار ہے جو اس مقصد اعلیٰ کے علاوہ ہر مقصد کو کاٹتی اور نیست و نابود کر دیتی ہے پھر نہ متابع دنیا کی طلب رہتی ہے اور نہ ملک و دولت اور سلطنت و ریاست کی چاہت نہ نہ بندی اور عزت کی خواہش نہ غلبہ و اقتدار کی ہوس نہ مال و منال اور عیش و تنعم کی تمنا نہ غضب و انتقام کا جذبہ نہ جاہلی حمیت کا جوش ان میں سے کوئی چیز بھی ان کو جدوجہد اور جہاد پر نہیں ابھارتی۔

یہ حقیقت سب سے روشن ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا میں جھلکتی ہے جو آپ نے طائف میں اس وقت کی تھی جب اہل طائف نے آپ کے ساتھ ایسا جفا کارا اور وحشیانہ برتاؤ کیا تھا جس کی مثال دعوت و رسالت کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے آپ جس مقصد کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے وہ (بظاہر) پورا نہیں ہوا، طائف کا ایک شخص بھی حلقہ بگوش اسلام نہ ہوا، اس نازک گھڑی اور سخت نفسیاتی حالت میں جو دعائیہ کلمات آپ کے دہن مبارک سے نکلے تھے وہ یہ تھے :-

اللهم لیلاہ اُشکو ضعف قوۃ ِللہ	اپنی اپنی کمزوری بے سرو سامانی اور
حلیتی، وھو الی علی الناس ارحم	لوگوں میں تحقیر کی بابت تیرے سامنے میں
الراحمین، اَنْتَ رب المستضعفین	فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں
وانت ربی الی من تکلنی الی	سے زیادہ رحم کرنے والا ہے درماندہ
بعید یتیم منی، اُم الی عدو ِللک	اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور
أمری۔	میرا مالک بھی تو ہی ہے مجھے کس کے

سپر دکر ہے میں کیا بے گانہ ترش روکے

یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے۔

اس نقطہ پر اگر وہ نبوی مزاج جس کی پرورش و پرداخت دست قدرت نے کی تھی پوری طرح جھلک اٹھتا ہے آپ فرماتے ہیں :-

ان لم یکن بک غضب علی فلا ابالی
عزأت عافیتک ہی أوسع لک
اگر کچھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے بھی اس کی پروا نہیں لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔

نوح علیہ السلام کو دیکھئے جو اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں اور جن کے بارے میں قرآن کریم کی شہادت ہے :-

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ
عَامًا (سورہ عنکبوت - ۱۲) رہے۔
وہ اپنی قوم میں پچاس برس کم ہزار برس

جنہوں نے یہ طویل مدت دعوت و تبلیغ کے کام میں ہمہ تن مصروف رہ کر اور لوگوں کو مطمئن کرنے کے تمام مناسب طریقے اختیار کر کے گذاری قرآن خود ان کا قول نقل کرتا ہے :-

قَالَ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَبِثُوا نَهْلًا
(سورہ نوح - ۵) میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا۔
نوح نے خدا سے عرض کی کہ پروردگار

آگے فرماتے ہیں :-

ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَادًا ثُمَّ إِنِّي
أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا
پھر میں ان کو کھلے طور پر بھی بلاتا رہا اور ظاہر و پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔
(نوح - ۵-۶-۷)

لیکن اس طویل اور زہرہ گداز محنت اور جدوجہد کا نتیجہ کیا رہا؟

وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ

(سورہ ہود۔ ۴۰) لائے۔

لیکن حضرت نوح علیہ وعلی نبینا السلام اس پرشاکسی یا افسردہ خاطر نظر نہیں آتے، اور اپنی محنت کو رائیگاں نہیں سمجھتے، اور نہ اس سے خدا کے یہاں ان کے مقام، درجہ، قرب، اور اولوالعزم پیغمبر ہونے میں کچھ فرق آتا ہے، خدا ان سے راضی تھا، اور وہ اپنے خدا سے راضی تھے، خدا کا پیغام انھوں نے خدا کے بندوں تک پہنچا دیا تھا، اور راہ خدا میں وہ کوشش کا حق ادا کر چکے تھے، جس کے انعام میں یہ تمغہ قرآنی ان کو ملا:-

وَنَزَّلْنَا عَلَیْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ

اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر رحیم

عَلَى نُوحٍ فِي الْاٰلَمِیْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ

باقی (پھوڑ دیا یعنی تمام جہان میں نوح

نَجِّی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا

پر سلام ہو، نیکو کاروں کو ہم ایسے ہی

الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

بدلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے

(سورہ الصافات۔ ۷۸-۸۱) مومن بندوں میں سے تھے۔

قرآن کریم دعوت و تبلیغ اور جہد و جہاد کے میدان میں تمام کام کرنے والوں کو یہ تعلیم دیتا، اور یہ آداب سکھاتا ہے:-

بَلٰکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ

وہ جو آخرت کا گھر ہے، ہم نے اُسے

لَا یُرِیْدُوْنَ عَلٰوًا فِی الْاَرْضِ وَلَا

اُن لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے، جو ملک میں

فَسَادًا وَّاعَاقِبَةً لِلْمُتَّقِیْنَ ۝

اپنی بُرائی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور

(سورہ القصص۔ ۸۳) انجام نیک پرستیزکاروں ہی کا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قوت و طاقت جس کے ذریعہ مسلمان احکام خداوندی کا نفاذ کر سکتا ہے اور دعوت کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو ہٹا سکتا ہے، اور جس کے ذریعہ زمین میں فساد اور ظلم اور باطل کے غلبہ کی آگ بجھا سکتا ہے، مثالی اسلامی زندگی اور شریف و متدین ایمانی معاشرہ کے لئے سازگار ماحول تیار کر سکتا ہے، وہ قابل توجہ اور لائق فکر و اہتمام نہیں، ہرگز نہیں، تصور غیر اسلامی ہے، اور اس رہبانیت کا پر تو ہے، جس کے لئے خدائے تعالیٰ نے کوئی دلیل اور سند نازل نہیں فرمائی، اللہ تعالیٰ اپنے احسان و انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمَلُوا

الصَّالِحَاتِ لِيَسْخَلِفَهُمْ فِي الْأَرْضِ

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ

لَهُمْ وَلَيَبْذِلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ حَقِّهِمْ

أَمْ نَدْعُو بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَشْرِكُ لَنَا

شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ

هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

(سورہ النور - ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا، اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، مستحکم اور پائیدار کرے گا، اور ان کے بعد ان کو امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

یہ بھی ارشاد ہے:-

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ

(سورہ الأنفال - ۳۹)

اور ان لوگوں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور

دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے۔

الَّذِينَ إِذَا مَنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ
أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
وَأَمْرًا قَالُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا
عَنِ الْمُنْكَرِ وَبِاللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ
یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں
دستر میں دیں تو نماز کو قائم کریں اور
زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا
حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں
اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے

(سورہ الحج - ۴۱)

اختیار میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے سر بلندی اور عزت و غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن
اس شرط پر کہ وہ ایمانی صفات سے متصف ہوں اور ان کا مقصد عمل صرف رضائے خداوندی
ہو، نہ کہ عزت و اقتدار کا حصول اور اس کے لئے کوشش کیونکہ عزت و اقتدار تمہارے
نہ کہ مقصد انعام ہے نہ کہ غرض و غایت ارشاد ہے:-

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ
الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ
اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا، اور نہ
کسی طرح کا غم کرنا، اگر تم مومن (صادق)
(سورہ آل عمران - ۱۲۹) ہو تو تمہیں غالب رہو گے۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ اس کی صراحت فرمائی ہے کہ خدا کی طرف سے اپنے بندے سے
جس کا مطالبہ ہے اور جو چیز اس کے یہاں کارآمد ہے وہ قلب سلیم ہے اس کا ارشاد ہے:-

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا
مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقُلُوبٍ سَلِيمَةٍ
جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا
نہ اولاد، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل

لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے: "إِذْ جَاءَ رَبُّهُ بِقَلْبٍ
سَلِيمٍ" (الصافات-۸۴) (جب وہ اپنے پروردگار کے پاس عیب سے پاک دل لے کر آئے) اس لئے
ہر اس چیز سے جو قلب سلیم کے منافی ہو، اور جس کے صہم و معبود بن جانے کا خطرہ ہو، اور جو
خدائے عزوجل کی محبت میں شریک و ہمیم ہو، اس سے چوکتا رہنے کی ضرورت ہے اور اس کے
ہر قیمت پر بچنا لازمی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا هَوًى ۖ
کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی

(سورہ الفرقان-۴۳) خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ ابْنِ آدَمَ
مَجْرَى الدَّمِ" (شیطان ابن آدم کی رگوں) میں خون کی طرح دوڑ جاتا ہے۔
۳۔ دین کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انبیاءؑ کے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ان عقائد
دعوت و پیغام اور شریعت کے بارے میں جس کو وہ لے کر آتے ہیں، بڑے غیور اور فکری احمق و لقم
ہوتے ہیں، وہ کسی حال میں بھی (خواہ دعوت کی مقبولیت اور کامیابی کی مصلحت ہی کا تقاضہ
کیوں نہ ہو) اس کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ اپنی دعوت اور شریعت میں کوئی ترمیم یا تغیر
و تبدل گوارہ کر لیں، ان کے یہاں براہینت اور تبدیلی موقف کی گنجائش نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ
اپنے آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:-

فَأَمَّا نَحْنُ بِمَعَاتُرٍ مَرْقَأَةٍ مِنْ عَيْنِ
پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملے

المُشْرِكِينَ ۝ (الحج-۹۴) وہ نادوا اور شرکوں کا ذرا خیال نہ کرو۔

لے بخاری، سلم

نیز ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ
مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا يَبْلُغُ
رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا
تَعْمَلُ ۝
النَّاسُ ۝
اے پیغمبر! جو ارشادات تم پر خدا کی طرف
سے نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو
اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے
میں قاصر رہے اور خدا تم کو لوگوں سے
بچائے رکھے گا۔ (سورہ المائدہ - ۶۷)

نیز فرمایا:-

وَذُكُورُ الثُّدَيِّهِنَّ فَيُذْهِبْنَ ۝
(سورہ القلم - ۹)
یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو
تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موقف توحید بلکہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد،
حق کہ دین کے ارکان و فرائض کے بارے میں بھی پکدار اور مصالحانہ موقف نہ تھا، جو سیاسی
قائدین کا (جو بزعم خود اپنے کو حقیقت پسند اور علی انسان سمجھتے ہیں) ہر زمانہ میں طرک امتیاز
رہا ہے، شہر طائف کے فتح ہو جانے کے بعد قریش کے بعد عرب کے دوسرے سربراہ اور وہ قبیلہ
ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوتا ہے، اور یہ درخواست کرتا ہے کہ لات نامی صنم کو (جس کی وجہ سے طائف کو
مکہ کے بعد مرکزیت اور تقدس حاصل تھا) تین سال تک اپنے حال پر رہنے دیا جائے اور
دوسرے اصنام کی طرح اس کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
صاف انکار فرمادیتے ہیں، وفد کے لوگ دو سال، پھر ایک سال کی مہلت مانگتے ہیں، آپ مسلسل
انکار فرماتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس پر اتر آتے ہیں کہ ہمارے طائف واپس جانے کے بعد

صرف ایک مہینہ کی مہلت دے دی جائے، لیکن آپ ان کی آخری درخواست قبول فرمانے کے بجائے، ابوسفیان بن حرب (جن کی طائف میں رشتہ داری تھی) اور قبیلہ ثقیف ہی کے ایک فرد مغیرہ بن شعبہ کو مامور فرماتے ہیں کہ وہ جائیں اور لات اور اس کے معبد کو ڈھا دیں! اہل وفد ایک درخواست یہ بھی کرتے ہیں کہ انھیں نماز سے معاف رکھا جائے، آپ فرماتے ہیں اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں، اس گفتگو سے قلعہ ہو کر وہ اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں، اور ان کے ساتھ ابوسفیانؓ اور مغیرہؓ بھی جاتے ہیں، اور لات کو ڈھا دیتے ہیں اور پورے قبیلہ ثقیف میں اسلام پھیل جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا طائف سلمان ہو جاتا ہے۔ انبیاء کے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ تبلیغ و دعوت اور اپنی تفہیم و مکالمہ میں وہی اسلوب اور وہی تعبیرات استعمال کرتے ہیں، جو ان کی دعوت کی روح، اور نبوت کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہیں، وہ کھل کر اور پوری وضاحت کے ساتھ آخرت کی دعوت دیتے ہیں، جنت اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کا شوق دلاتے ہیں، دوزخ اور اس کے عذاب اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے ہیں، اور جنت و دوزخ دونوں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں، گویا وہ نگاہوں کے سامنے ہیں، وہ عقلی دلائل پر ہیں، اور مصاح و مفادات کے بجائے ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ان کا عہد بھی مادی فلسفوں اور نظریات سے (جو ان کے عہد کی سطح اور حالات کے مطابق ہوتے ہیں) یکسر خالی نہیں ہوتا، اس عہد میں بھی کچھ طبقوں کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں، وہ ان سے ناواقف نہیں ہوتے، وہ یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ یہ فلسفے اور اصطلاحات سکہ ایچ الوقت ہے، اور انھیں کا اس دور میں چلن ہے، لیکن لوگوں کو

قرب کرنے اور اپنی طرف آنے کی دعوت دینے کے لئے وہ ان سے کام نہیں لیتے، وہ اللہ تعالیٰ پر اس کی صفات و افعال کے ساتھ، ملائکہ پر تقدیر پر (شر ہو یا خیر) موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ بغیر کسی تردد اور معذرت کے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کی دعوت قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے کا انعام جنت اور خدا کے تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

دعوت کے سلسلہ میں اس نبوی مزاج و منہاج اور طریقہ کار کی بہترین مثال بیعت عقبہ ثانیہ کا واقعہ ہے، جب اہل یثرب کی ایک تعداد جن میں ۳۷ مرد اور دو خواتین تھیں، حج کے لئے مکہ معظمہ آئے، اور عقبہ کے پاس وادی میں اکٹھا ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے علم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) تشریف لائے، آپ نے قرآن پاک کی آیات تلاوت فرمائیں، خدائے واحد کی طرف دعوت و اسلام کی ترغیب دی، اور فرمایا کہ تم سے میں یہ عہد اور بیعت لیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ مخالفت اور خیال کا وہی معاملہ کرو گے، جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ کرتے ہو، انصار نے بیعت کی اور آپ سے یہ وعدہ لیا کہ آپ ان کو چھوڑ کر پھر اپنی قوم میں واپس نہ جائیں گے وہ زیرک اور دانا تھے، اور اس عہد و پیمان کے دور رس اور خطرناک نتائج سے بخوبی واقف تھے، وہ سمجھتے تھے کہ وہ تمام قریبی قبائل، بلکہ پورے ملک عرب سے دشمنی مول لے رہے ہیں، ان کے ایک جہاں دیدہ نحر بہ کار رفیق (عباس بن عبادہ انصاری) نے بھی ان کو مزید ان نتائج سے آگاہ اور ہوشیار کیا، لیکن انھوں نے جواب میں یہ کہہ دیا کہ ہم ہاں و نہاں کے نقصان اور بے سربرآوردہ افراد خاندان کے قتل و ہلاک ہو جانے کا خطرہ مول لینے ہوئے، آپ کو جلتے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طوفان ملتفت ہو کر انھوں نے عرض کیا،

اے اللہ کے رسول اگر ہم نے وعدہ وفا کر دکھلایا تو ہمیں کیا ملے گا؟
 ایسے نازک موقعہ پر اگر خدا کے پیغمبر کی جگہ کوئی سیاسی لیڈر کوئی قومی رہنما یا محض ریکھا
 سوجھ بوجھ کا کوئی انسان ہوتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ افتراق و انتشار کے بعد اب تمہاری
 شیرازہ بندی ہوگی، ایک قبیلہ کی معمولی حیثیت کے بعد اب پورے عرب میں تمہارا وجود تسلیم
 کیا جائے گا، اور تم ایک طاقت بن کر ابھر گے، یہ کوئی خیالی اور ناقابل قیاس بات نہ تھی بلکہ
 تمام علامات و قرائن اس کے امکان اور امر واقعہ بننے پر دلالت کرتے تھے، خود ان اہل شرب
 میں سے ایک کہنے والے نے اس سے پیشتر کہا تھا کہ:-

”ہم اپنی قوم کو اس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ شاید ہی کسی قوم میں ایسی دشمنی
 اور انتشار ہو، جیسا ہماری قوم میں ہے، ہمیں امید ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کے ذریعہ
 ان کی شیرازہ بندی کرے، اب ہم ان کے پاس جائیں گے، اور آپ کی یہ دعوت
 ان کے سامنے پیش کریں گے، اور جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے، ان کو بھی اس کی
 دعوت دیں گے، اگر خدا تعالیٰ آپ کی ذات پر ان کو مجتمع فرمادے تو آپ بڑھک
 کوئی صاحب اقتدار اور باعزت و شوکت شخص نہ ہوگا۔“

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس سوال کے جواب میں کہ اے اللہ
 کے رسول پھر ہمیں کیا ملے گا؟ صرف اس پر اکتفا فرمایا کہ ”جنت“ اس وقت انھوں نے
 عرض کیا کہ حضور دست مبارک دراز فرمائیے، آپ نے اپنا دست مبارک بڑھایا اور انھوں نے
 بیعت کر لی۔

اسی غیرت اور کار نہوت کی تکمیل کا اثر ہے کہ پیغمبر کی شرعی حکم میں کسی تبدیلی کے نہ روادار

ہوتے ہیں اور نہ کسی حکم پر عمل کسی کی سفارش اور اثر سے موقوف و ملتوی رکھتے ہیں وہ قریب بعید
 یگانہ و بیگانہ سب پر یکساں طریقہ پر اثر تھانے کے حدود و احکام کا نفاذ کرتے ہیں چنانچہ قبیلہ
 بنی مخزوم کی ایک خاتون کے بارے میں جس سے چوری کا جرم سرزد ہوا تھا، اسامہ بن زید رضی اللہ
 عنہ (جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص شفقت و عنایت تھی) سفارش کرنے
 کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ کیا اللہ کے متعین کردہ حدود کے بارے
 میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ نے تقریر فرمائی جس میں فرمایا، اے لوگو! تم سے پہلے امتیں اس لئے
 ہلاک ہوئیں جب ان میں کوئی باوجاہت شخص اور خاندانی آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور
 کوئی کمزور اور معمولی آدمی چوری کرتا، تو اس پر حد نافذ کرتے، قسم ہے خدا کے پاک کی، اگر محمد کی
 بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے دریغ نہ کروں گا۔

یہی وہ غیرت ہے جو انبیاء کرام کے اصحاب و نائبین میں نقل ہوئی، انھوں نے بھی
 کامیابی اور ناکامی، اور سود و زیاں سے آنکھیں بند کر کے قرآنی تعلیمات، شرعی احکام، اور
 اسلام کے اصول و ضوابط کی حفاظت کی تاریخ میں اس کی شاندار مثال فاروق اعظمؓ کا وہ
 واقعہ ہے، جو جبکہ ابن ابیہم غسانی کے ساتھ (جو شاہان آل جفہہ کے سلسلہ کی اہم کڑی تھا)
 پیش آیا، وہ قبیلہ عک و غسان کے پانچ سو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا، جب وہ مدینہ میں داخل
 ہوا تو کوئی دو شیرہ اور پردہ نشین عورت ایسی نہ تھی جو اس کو اور اس کے زرق برق لباس کو
 دیکھنے کے لئے نہ نکل آئی ہو، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لئے تشریف لے گئے، تو جبکہ
 ساتھ گیا، وہ بیت اللہ کا طواف کر رہی رہا تھا، کہ بنی فزارہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کے
 ٹکٹے ہوئے تہبند کی کور پر پڑ گیا، اور وہ کھل گیا، جبکہ نے ہاتھ اٹھایا اور فزاری کی ناک پر

زور کا تھپڑ مارا، فزاری نے حضرت عمرؓ کے یہاں نالش کی، امیر المومنین نے جبلہ کو بلا بھیجا، وہ جب آیا تو اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ اس نے کہا کہ ہاں امیر المومنین اس نے میرا تہبہ دکھونا چاہا تھا، اگر کعبہ کا احترام مانع نہ ہوتا تو میں اس کی پیشانی پر تلوار کا وار کرتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم نے اقرار کر لیا، اب یا تو تم اس شخص کو راضی کر لو، ورنہ میں قصاص لوں گا، جبلہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ کیا کریں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس سے کہوں گا کہ تمہاری ناک پر ویسے ہی ضرب لگائے جیسی تم نے اس کی ناک پر لگائی، جبلہ نے حیرت و استعجاب سے کہا کہ امیر المومنین ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایک عام آدمی ہے اور میں اپنے علاقہ اور قوم کا تاجدار ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام نے تم کو اور اس کو برابر کر دیا، اب سولے تقویٰ اور عافیت کے کسی اور چیز کی بنیاد پر تم اس سے افضل نہیں ہو سکتے، جبلہ نے کہا کہ میرا خیال تھا کہ میں اسلام قبول کر کے جاہلیت کے مقابلہ میں زیادہ باعزت و باعتبار ہو جاؤں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ باتیں چھوڑو، یا تو اس شخص کو راضی کرو ورنہ قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔

جبلہ نے جب حضرت عمرؓ کے یہ تیور دیکھے تو عرض کیا کہ مجھے آج رات غور کرنے کا موقعہ دیا جائے، حضرت عمرؓ نے اس کی درخواست منظور کی، رات کے سناٹے اور لوگوں کی لاعلمی میں جبلہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو لے کر شام کی طرف روانہ ہو گیا، صبح مکہ میں اس کا پتہ نشان نہ تھا، ایک زمانہ کے بعد جب جثامہ بن مساحق کنانی سے جو اس کے دربار میں شریک ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کے شاہانہ کردار کے حالات سنے تو صرف یہ فرمایا "وہ محروم رہا" آخرت کے بدلہ میں دنیا خرید لی، اس کی تجارت کھوٹی رہی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انبیاء کے کرام دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں حکمت سے کام نہیں لیتے، اور لوگوں سے ان کے فہم و ادراک کے مطابق بات نہیں کرتے، حاشا و کلام یہ تو قرآنی نصوص اور سیرت طیبہ کے مبسوط واقعات کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ

قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

(سورہ ابراہیم - ۴) (احکام خدا) کھول کھول کر بتا دے

زبان کا مفہوم یہاں چند جملوں اور الفاظ میں محدود نہیں، وہ اسلوب طرزِ کلام، اور طریق تفہیم سب پر حاوی ہے، اس کا دل کش نمونہ حضرت یوسفؑ کی جیل میں اپنے دونوں ساتھیوں سے پسند و معنیت، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے دور کے بادشاہوں سے مکالمے میں نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ اور آپ کے توسط سے قرآن کے ہر قاری، اور اسلام کے ہر داعی و مبلغ کو یہ ہدایت فرمائی ہے:-

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ

وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ

بلاؤ، اور بہت اچھے طریق سے ان سے

(سورہ النحل - ۱۲۵) مناظرہ کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ کو جب دعوت و تبلیغ کی ہم پر روانہ فرماتے تو نرمی و شفقت، سہولت و آسانی پیدا کرنے اور بشارت دینے کی وصیت فرماتے،

لہٰذا اس موعدت و مکالمہ کے نفسیاتی اور بیانی و ادبی تجزیہ کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "دعوت

و تبلیغ کا معجزانہ اسلوب" شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۰

آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن بھیجتے ہوئے وصیت فرمائی
 ”يَسِّرُوا وَلَا تَقْسِرُوا، بَشِّرُوا وَلَا تَنْفِرُوا“ (آسانی پیدا کرنا سختی نہ کرنا، خوشخبری دینا متوختش
 نہ بنانا) اور خود اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

فِيمَا نَحْمَدُكَ مِنْ أَنْ لَيْتَ لَهْمُ
 وَلَوْ كُنْتَ فَطَاغِيظَ الْقَلْبِ
 لَا نَقُضُوا مِنْ حَوْلِكَ
 (سورۃ آل عمران - ۱۵۹)

کھڑے ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے بالعموم فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُبَشِّرًا
 وَلَمْ يُبْعَثُوا مُنْزِعِينَ (تمہیں آسانی پیدا کرنے کے لئے اٹھایا گیا ہے، دشواری پیدا کرنے
 کے لئے نہیں اٹھایا گیا ہے۔)

اس سلسلہ کے نصوص و دلائل بے شمار ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے، انبیاءؑ سابقین
 کی بھی یہی امتیازی شان رہی ہے، متعدد انبیاء کا ناموں کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے انہیں
 فرمایا گیا:-

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْتَ لَكُمُ الْكِتَابُ
 وَالْحُكْمُ وَالنُّبُوَّةُ
 یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور
 فیصلہ کن رائے قائم کرنے کی صلاحیت

(سورۃ الانعام - ۸۹) اور نبوت عطا فرمائی تھی۔

۱۔ بخاری ج ۱ ص ۳۵ ۲۔ اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب
 ”حجۃ الشریعہ“ ج ۱ کے ”باب التیسر“ کا مطالعہ کیا جائے۔

لیکن اس آسانی، تدریج اور غیر کا تعلق تعلیم و تربیت اور جزوی مسائل سے تھا جن کا عقائد اور دین کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہیں، جن باتوں کا تعلق عقائد اور حدود و اثر سے ہے ان میں ہر دور کے انبیاء کرام فولاد سے زیادہ بے پچک، اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔

۴۔ نبوت کی امتیازی خصوصیات اور انبیاء کرامؑ کی دعوت کے خط و خال میں ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ ان کا اصل زور آخرت کی زندگی، اور اس کی کامیابی اور سعادتوں کے حصول پر ہوتا ہے، وہ اس کا اس کثرت سے تذکرہ کرتے ہیں اور اس کا اس درجہ اہتمام و فکر کہ وہ ان کی دعوت کا مرکزی نقطہ اور محور بن جاتی ہے، صاف ذہن کے ساتھ ان کے واقعات اور اقوال کا مطالعہ کرنے والا صاف محسوس کرتا ہے کہ آخرت ان کا نصب العین ہے، اور ان کے لئے ایک مری اور یہی حقیقت ہے، یہ بات ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے، اور اس کا یقین ان کے احساسات اور فکر و دماغ پر چھایا ہوا نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن و مطیع بندوں کے لئے آخرت میں جو نعمتیں مقدر کر رکھی ہیں اور کافروں اور نافرمانوں کے لئے وہاں جو عذاب مقرر فرما دیا ہے، اس کا ہمہ وقت خیال ہی وہ حقیقی محرک ہے، جو ان کو عقیدہ کی تصحیح، زندگی کی اصلاح، اور رشتہ عبودیت کی استواری کی دعوت پر ابھارتا ہے، وہ ان کو بے چین رکھتا، اور ان کی راتوں کی نیند اور دن کا اطمینان اس طرح اڑا دیتا ہے، کہ ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔

سیرت کا ہر ذہن مطالعہ کرنے والا، یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ انبیاء کی ایمان بالآخرۃ کی دعوت اور اس کی اہمیت کی تبلیغ و تشہیر، صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے تحت نہیں تھی، جس کے بغیر اسلامی معاشرہ کیا کوئی صالح معاشرہ بھی وجود میں نہیں آ سکتا۔

نہ پاکیزہ تمدن کی بنیاد پڑ سکتی ہے، یہ خیال اپنی جگہ پر صحیح ہے اور ایک تاریخی واقعہ جس کی پوری انسانی تاریخ شہادت دیتی ہے، لیکن انبیاء کا طریق کار اور ان کی سیرت اسی طرح ان کے نائبین کا طریق کار اس سے مختلف ہے، ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے، کہ انبیاء کے طریق دعوت و تبلیغ میں یہ ایمان و وجدانی کیفیت اور قلبی جذبہ اور درو مندی کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرے طریقہ میں وہ ایک ضابطہ اور ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے اور اخلاقی و معاشرتی ضرورت کی حد تک اس کی تلقین کی جاتی ہے اور دونوں میں جو فرق ہے، وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

۵۔ پانچواں امر یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدائے تعالیٰ ہی حاکم حقیقی اور فرماں روا ہے مطلق ہے اور شریعت سازی صرف اس کا حق ہے اس کا ارشاد ہے:-

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ (سورہ یوسف - ۴۰) خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے

وہ فرماتا ہے:-

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْزِنْ بِهِ اللَّهُ

کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے

(سورہ شوریٰ - ۲۱) جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔

لیکن درحقیقت خالق و مخلوق اور عید و معبود کا تعلق، حاکم و محکوم، آمر و مامور اور ایک بادشاہ اور رعیت کے تعلق سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ عمیق، کہیں زیادہ لطیف اور کہیں زیادہ نازک ہے قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کو جس تفصیل کے ساتھ اور جتنے دل آویز طریقہ پر بیان کیا ہے، اس کا مقصد قطعاً یہ نہیں معلوم ہوتا کہ

لے بطور مثال سورہ حشر کی آخری آیات "هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سِعْدَةُ الْغُيُوبِ" تک پڑھئے

بندہ سے صرف اتنا مطلوب ہے کہ وہ اس کو اپنا حاکم اعلیٰ، اور آمر مطلق سمجھ لے، اور اس کے اقتدار اعلیٰ میں کسی کو شریک نہ کرے، بلکہ ان اسماء و صفات اور ان افعال الہی کے ذکر کا جن سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور ان آیات کا جن میں خدا تعالیٰ سے محبت و تعلق اور بکثرت اور ہمیشہ اس کے ذکر کی ترغیب آئی ہے، صاف تقاضہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دل و جان سے محبت کی جائے اور اس کی طلب و رضا میں جان کھپا دی جائے اس کے حمد و ثنا کے گیت گائے جائیں، اٹھتے بیٹھتے اس کے نام کا وظیفہ پڑھا جائے، اسی کی دھن ہر وقت دل و دماغ میں سمائی رہے، اسی کے خوف سے انسان ہر وقت لرزاں اور ترساں رہے، اسی کے سامنے دست طلب ہر وقت پھیلا رہے، اسی کے جمال جہاں آرا پر ہر وقت نگاہیں جمی رہیں، اسی کی راہ میں سب کچھ ٹٹا دینے، مٹا دینے، حتیٰ کہ سر کاٹ دینے کا جذبہ بیدار رہے۔

۶۔ دین کے مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات کی اس بحث کے سلسلہ میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جن کے سرگروہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، ان کا مخلوق سے اور ان قوموں سے جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں، چٹھی رساں (پوسٹ مین) اور ڈاک یہ جیسا تعلق نہیں ہوتا، جس کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ خطوط اور ڈاک مرسل الیہم تک پہنچا دے، پھر اسے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں، اور ان لوگوں کو اس درمیانی واسطہ اور قاصد سے

لے مثلاً "وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ" اور "وَحُبُّهُمْ وَحُبُّنَا" اور وہ آیات ملاحظہ ہوں،

جن میں ذکر اللہ کی ترغیب و تاکید ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی محبت الہی، شوق اور تڑپ، اور عزیز ترین چیزوں کی قربانی کا ذکر ہے۔

کوئی مطلب نہیں، وہ اپنے کاموں اور اختیارات میں بالکل آزاد ہیں، اور ان قوموں کا تعلق جن کی طرف انبیاء کرام مبعوث ہوئے، اپنے انبیاء اور رسل سے محض وقتی اور قانونی تعلق ہوتا ہے، ان کو ان کی سیرت، طور طریق، ذوق و رجحان اور ان کی انفرادی و عائلی زندگی سے کوئی دل چسپی نہیں، یہ وہ غلط، بے بنیاد اور ادھورا تصور ہے، جو ان حلقوں میں رائج تھا، جو نبوت و انبیاء کے بلند مقام سے ناواقف تھے، اور ہمارے اس دور میں ان حلقوں میں پھیلا ہوا ہے، جو مقام سنت سے ناواقف اور حدیث اور اس کی حجت کے منکر ہیں، اور جن پر مذہب کے مسیحی تصورات کا اثر، اور مغربی طرز فکر کا غلبہ ہے۔

اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام پوری انسانیت کے لئے اسوہ کامل، اعلیٰ قابل تقلید نمونہ، اور اخلاق، ذوق و رجحان، رد و قبول، اور وصل و فصل کے بارے میں سب سے مکمل اور آخری معیار ہوتے ہیں، وہ مورد عنایات الہی اور مرکز انطا و تجلیات ہوتے ہیں، ان کے اخلاق و عادات، اور ان کی زندگی کا طور و طریق سب خدا کی نظر میں محبوب ہیں، زندگی کے طریقوں میں ان کا طریق حیات، انسانوں اور جماعتوں کے اخلاق میں ان کے اخلاق، اور لوگوں کی گوناگوں عادتوں میں ان کی عادتیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں، انبیاء جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں، وہ راستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے، اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، صرف اس وجہ سے کہ انبیاء کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں، ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان کے نسبت رکھنے والی اشیاء اور اعمال سے اللہ کی محبت اور پسندیدگی متعلق ہو جاتی ہے، ان کا اختیار کرنا، اور ان کے اخلاق کی جھلک پیدا کرنا، اللہ کی محبت و رضا سے سرفراز ہونے کا قریب ترین اور سہل ترین راستہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست دوست

اور دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کہلا یا گیا:۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبُّكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
(سورہ آل عمران - ۳۱)

اے پیغمبر (لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو
خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا،
اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے برعکس جو ظلم پر کمر باندھے ہوئے اور کفر کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں ان کی طرف دل کا میلان ان کے طریق حیات کی ترجیح اور ان سے صوری و معنوی مشابہت، اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی، اور اللہ سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی ہے، فرمایا گیا:۔

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا
فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ
اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ
(سورہ ہود - ۱۱۳)

اور جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مائل نہ ہونا، نہیں تو تمہیں دوزخ کی آگ لپٹے گی، اور خدا کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں (اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہو گئے)
تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد ملی سکے گی۔

ان پیغمبرانہ مخصوص عادات و اطوار کا نام شریعت کی زبان اور اصطلاح میں "خصال فطرت" اور "سُنن الہمدی" ہے جس کی شریعت تعلیم و ترغیب دیتی ہے ان اخلاق

وَعَادَاتِ كَا اِخْتِيَارِ كِرْنَالُو كُوں كُو اَنْبِيَاءِ كِي رَنگ ميں رَنگ دِيْتَا هِيْ اُو رِيْ وَه رَنگ هِيْ
جس كِي بارِي ميں اللّٰهُ تَعَالٰى نِيْ قُرْبَا يَا هِيْ :-

مِيقَاتِ احْلَاءِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنْ

(کہد و کہہم نے) خدا کا رنگ (اختیار

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِٖ وَسَلِّمْ
 کر لیا) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا

(سورۃ بقرہ - ۱۳۸) ہو سکتا ہے اور ہم اس کی عبادت

کرنے والے ہیں۔

ایک عادت کی دوسری عادت، ایک خلاق کے دوسرے اخلاق، ایک طور طریق کے دوسرے طور طریق پر دین و شریعت میں ترجیح کا یہی راز ہے، اسی وجہ سے اس کو شریعت اسلامی اہل ایمان کا شعار، فطرت کے تقاضہ کی تکمیل، اور اس کے خلاف طریقوں کو فطرت سلیم سے انحراف، اور اہل جاہلیت کا شعار قرار دیتی ہے، اور ان دونوں طریقوں اور راستوں میں (باوجود اس کے کہ اس طرف بھی عقل و خرد رکھنے والے متہذبن انسان ہیں، اور اس طرف بھی) محض اس بات کا فرق ہے کہ ایک خدا کے پیغمبروں اور اس کے محبوب بندوں کا اختیار کیا ہوا ہے، دوسرا ان لوگوں اور قوموں کا جن کے پاس ہدایت کی روشنی اور آسمانی تعلیمات نہیں ہیں، اس اصول کے تحت کھانے پینے، کاموں میں دائیں بائیں ہاتھ کا فرق، لباس و زینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے اصول آجاتے ہیں، اور یہ سنت سنت نبویؐ اور فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے، وہاں اس پہلو پر اور زیادہ زور دینے اور اس کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے،

۱۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "منصب نبوت" اور اس کے بلند مقام "حالیین" ص ۱۱۸-۱۱۹

آپ کی ذات کے ساتھ صرف ضابطہ اور قانون کا تعلق کافی نہیں روحانی اور جذباتی تعلق اور ایسی گہری اور دائمی محبت مطلوب ہے جو جان و مال، اہل و عیال کی محبت پر فوقیت لے جائے، صحیح حدیث میں آیا ہے:-

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ
اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن
أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ
نہیں ہوگا، جب تک میں اس کو اپنی
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝
اولاد و والدین اور تمام لوگوں سے
زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

دوسری حدیث میں ہے:-

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ
تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن
أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ ۝
نہ ہوگا، جب تک میں اسے اپنی ذات
سے زیادہ عزیز و محبوب نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں ان تمام مخالف اسباب و محرکات سے محفوظ و محتاط رہنے کی ضرورت ہے جو اس محبت کے سوتوں کو خشک یا اس کو کمزور کرتے ہیں جذبات و احساسات محبت میں افسردگی، سنت پر عمل کرنے کے جذبہ میں کمزوری اور آپ کو دانائے سبل ختم الرسل ٹوکا کل سمجھنے میں تردد اور سیرت و حدیث کے مطالعہ سے روگردانی اور بے توجہی کا سبب بنتے ہیں، سورہ احزاب، سورہ حجرات اور سورہ فتح وغیرہ قرآنی سورتوں کے غایر مطالعہ اور تشہد و نماز جنازہ میں درود و صلوٰۃ کی شمولیت پر غور و فکر قرآن میں درود کی ترغیب اور درود کی فضیلت میں بکثرت وارد ہونے والی احادیث کا راز سمجھنے کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ

لے بخاری و مسلم لے مسند احمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک مسلمان سے اس سے کچھ زیادہ مطلوب ہے جس کو صرف قانونی اور ضابطہ کا تعلق کہا جاتا ہے، اور جو محض ظاہری اطاعت سے پورا ہو جاتا ہے، بلکہ وہ پاس و ادب، محبت اور تشکر و امتنان کا جذبہ بھی مطلوب ہے جس کے سرچشمے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہوں، اور جو رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہو، اسی پر محبت احترام اور احترام آمیز محبت کو قرآن نے "تعزیر و توقیر" کے لفظ سے ادا کیا ہے۔

وَتُعْزِرُهُ وَتُوقِرُهُ (سورہ فتح-۹) اس کی مدد کرو اور اس کو بزرگ سمجھو۔

اس کی تابندہ اور روشن مثالیں غزوہ ریح کے موقع پر حضرت خلیب ابن عدی، اور زید ابن الدثنہ کے واقعہ غزوہ احد کے موقع پر ابو جحانہ اور حضرت طلحہ کے طرز عمل، غزوہ احد میں بنی دینار کی مسلمان خاتون کے جواب صالح حدیث کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی والہانہ محبت اور ادب و احترام میں دیکھی جاسکتی ہیں جن کی بناء پر ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ "بھئی کسی کو کسی سے اس طرح محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جس طرح محمدؐ کے ساتھی محمدؐ سے محبت کرتے ہیں" اور قریش کے قاصد عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ "قسم بخدا میں نے کسریٰ او قیصر کے دربار بھی دیکھے ہیں، میں نے کسی بادشاہ کی ایسی عزت ہوتے ہوئے نہیں دیکھی، جس طرح محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی عزت کرتے ہیں"۔

لے پورے واقعات سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائے جائیں، زید ابن الدثنہ کو جب قتل گاہ میں لے جایا جا رہا تھا، تو ابوسفیان نے ان سے کہا کہ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ محمدؐ تمہاری جگہ پر ہوں، اور تم اپنے گھر میں مامون و محفوظ ہو؟ حضرت زید نے کہا "خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی منظور نہیں کہ محمدؐ جہاں ہیں، وہیں ان کے کوئی کامشا بھی چھے، اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا ہوں" (سیرت ابن ہشام ق ۲ ص ۱۷۷) بنی دینار کی ایک مسلمان (باقی ص ۲۹)

اس عشق رسول سے ان علماء، راہنما، مصلحین و مجددین، زہداء و قائمین کو
 بہرہ وافر ملا، جنہوں نے دین کی حقیقی روح کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا، اور جن کے تقدیر میں
 دین و ملت کے احیاء و تجدید کا اہم کارنامہ انجام دینا تھا، اس پاک محبت کے بغیر جو
 شرعی احکام و آداب کے تابع و اسوۂ صحابہؓ کے اتباع و تقلید کے ساتھ ہوا، اسوۂ رسول
 کی کامل پیروی و اتباع، جادۂ شریعت پر استواری، نفس کا دیانت دارانہ محاسبہ اور
 ”عسرویسر“ اور طبیعت کی آمادگی و گرائی (منشط و مکرمہ) میں خدا و رسول کی فرمانبرداری
 ممکن نہیں یہی (کثیر النوع) نفسیاتی امراض کا علاج، تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق
 کا موثر ذریعہ ہے، محبت کی ایک لہر خس و خاشاک کو پہلے جاتی، اور رگ و ریشہ، اور
 جسم و جان میں اس طرح دوڑ جاتی، اور جذب ہو جاتی ہے۔

شاخ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

مسلمان جو کبھی خدا و رسول کے عشق کی بدولت شعلہ جوالہ تھے، اس کے بغیر
 چوب خشک اور سرد خاک تر بنے ہوئے ہیں۔

بھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

۷۔ اس دین کی ایک خصوصیت اس کی کالیت اور دوام ہے، کیونکہ یہ اعلان

(باقی صفحہ کا) خاتون کے شوہر بھائی اور باپ غزوۂ احد میں کام آئے، جب ان کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو ان کی
 زبان و سب سے اختیار نکلا کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ الحمد للہ آپ خیریت سے ہیں
 انھوں نے کہا کہ مجھے دیدار کرادو، جب ان کی نظر حیرت ببارک پر پڑی تو بولیں ”اچھے ہوئے ہوئے مصیبت سچ ہے“ (ابن ہشام)
 ابوہریرہؓ نے اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رے و ڈھال بنا دیا (بخاری) اور حضرت ابو طلحہؓ نے اپنے ہاتھ کو سپر بنا دیا تاکہ
 وہ حرکت و استعمال کے قابل نہیں رہا۔ (الاصابہ)

کر دیا گیا ہے کہ عقائد و شریعت اور دنیا میں جن چیزوں پر سعادت کا، اور آخرت میں نجات کا دار و مدار ہے ان کی مکمل تعلیم دی جا چکی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ
وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

خاتم النبیین میں اور خدا ہر چیز سے

(سورۃ الاحزاب - ۴۰) واقف ہے۔

اور قرآن نے عربی مبین میں صاف صاف کہہ دیا کہ یہ دین اپنے کمال انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کی تکمیل اور بقائے دوام کی صلاحیت کی آخری منزل پر پہنچ چکا، اور فرما دیا گیا:-

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَمَّتْ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ
دِينًا ۝ (سورۃ المائد - ۳) اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت عرفات کے دن حجۃ الوداع کے موقع پر سترہ میں نازل ہوئی، بعض ذہین یہودی علماء جو قدیم مذاہب کی تاریخ سے واقف تھے، بھانپ گئے کہ یہ وہ اعزاز ہے جو تنہا مسلمانوں کو بخشا گیا ہے اور یہ اسلام کا طرہ امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب و ملت شریک نہیں، انھوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ اپنی کتاب میں ایسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں، جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس روز عید مناتے!۔

اے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں اور کب نازل ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کہاں تشریف فرما تھے، وہ عرفا کا دن تھا (بخاری کتاب التفسیر (باقی ص ۵۱))

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا انقطاع و اختتام انسانیت کا اعزاز اور اس کے ساتھ رحمت و شفقت کا نتیجہ تھا، اور اس کا اعلان تھا کہ اب انسانیت میں طغی اور غیظ و کماں کے مرحلہ کو پہنچ گئی، اور اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل چکی ہے، جس میں وہ صدیوں تک رہی تھی، اب وہ علم و تمدن، باہمی تعارف، عالمی وحدت اور تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہو رہی ہے، اور اس کی امید پیدا ہو گئی ہے کہ وہ طبیعیاتی رکاوٹوں، جغرافیائی تقسیم، اور علیحدگی پسندی کے رجحانات پر قابو حاصل کر لے گی، قوم و وطن کے بجائے اب وہ کائنات، وسیع انسانیت، عالمگیر ہدایت، اور مشترک علم و فن کے مفہوم سے آشنا ہو رہی تھی، اور زندگی کے میدان میں طبعی قوتوں، قدرتی وسائل، عقل و عین و قلب و سلم اور مشترک جدوجہد سے کام لینے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔

زمانہ قدیم میں اس حقیقت کے گنجشک ہونے، حتی و باطل کی آمیزش اور کثرت ایسی دعوتوں کے وقتاً فوقتاً ظہور کی وجہ سے جو آسمان کے ساتھ تعلق خاص، اور آسمانی تعلیمات کے براہ راست حاصل کرنے کی غلط طریقہ پر مدعی تھیں، لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دیتیں، اور اسی بنیاد پر ان کو موسن و کافر کے طبقوں میں بانٹتی تھیں، سابقہ امتوں اور قوموں کو بڑے مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، یہودی اور مسیحی دنیا میں ایسے مدعیان نبوت کا پیدا ہونا ایک فلیشن بن گیا، اور وہ وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گئے، جس نے ذہنی اور دینی توانائیوں کو کوئی اور مفید کام کرنے کے بجائے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مشغول کر لیا، یہودی اور مسیحی معاشرے میں انتشار و فساد اور نفسیاتی

(باقی صفحہ کا) یعنی ہمیں کسی نئے جشن کی ضرورت نہیں، وہ دن خود عید کا دن تھا، اور اسلام بڑے بڑے

واقعات پر دوسرے مذاہب کی طرح جشن و عید منانے کا دین نہیں ہے۔

سلسلہ نبوت کے خاتمہ سے انسانی صلاحیتیں اور قوتیں اس خطرہ سے محفوظ ہو گئیں کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ اور تھوڑی تھوڑی دور کے فاصلہ پر ایک نئے نبی یا دعوت کا ظہور ہو، اور دینی معاشرہ سائے مسائل سے صرف نظر کر کے اس کی حقیقت معلوم کرنے اور اس کی تصدیق و تکذیب کا فیصلہ کرنے میں لگ جائے اس طرح محدود انسانی قوت کو اس روز روز کی مشغولیت اور آزمائش سے بچایا گیا، اور بجائے اس کے کہ نسل انسانی (نئی وچی و ہدایات کے لئے) بار بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے اور..... نبی اور مستقل رہنمائی کی طالب و منتظر رہے اس کو اپنی خداداد صلاحیتوں اور طاقتوں کے استعمال کے لئے کائنات اور اس زمین پر توجہ کرنے کی دعوت دی گئی اور اس طرح فکری انتشار، ذہنی کشمکش اور وحدت اجتماعی کے پارہ پارہ ہونے سے وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔

اس عقیدہ ہی کی بنیاد پر یہ امت خطرناک سازشوں کا مقابلہ کر سکی اور دین و عقائد کی وحدت کی حفاظت کا فریضہ انجام دے سکی، اس کا ایک روحانی مرکز، ایک عالمی ثقافتی اور علمی سرچشمہ اور ایک قطعی تشخص ہے جس سے اس کا گہرا اور قوی ربط ہے اس کی بنیاد پر ہر مانہ میں مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد قائم ہو سکتا ہے اس سے ذمہ داری کا قوی احساس ابھرتا ہے اور معاشرہ میں اس سے فساد کے ازالہ، حق و انصاف کے قیام، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دین خالص کی دعوت کا کام لیا جاسکتا ہے امت کو اب نہ کسی نئے نبی کی بعثت کی ضرورت ہے اور نہ کسی ایسے امام معصوم کے ظہور کی جو انبیاء کے کرام کے کام کو اچھے

لے اس ذہنی پریشانی اور مسئلہ کی سنگینی کے سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے (ENCYCLOPAEDIA OF

خاکم بدین وہ مکمل نہ کر سکے) کی تکمیل کر لے، اور نہ اسلامی نشاۃ ثانیہ اور جدید دینی تحریک کے لئے کسی پراسرار دعوت یا شخصیت پر اعتماد کی ضرورت ہے، جو عقل کے احاطہ میں نہ آئے اور حقائق ظاہری سے بالاتر ہو، اور جس سے مفاد پرست طالع آزما اور سیاسی اغراض کی تکمیل کے خواہش مند قائمہ اٹھالیں "ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

www.KitaboSunnat.com

لَا يَشْكُرُونَ

۸۔ اس دین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اصل حقیقت زندگی اور ترقی و تازگی کے ساتھ باقی ہے اس کی کتاب محفوظ اور ہر دور میں قابل فہم ہے اس کی حامل امت عام گمراہی اور جہالت اور اس اجتماعی انحراف فریب خوردگی اور کسی سازش کا شکار ہو جانے سے محفوظ ہے جس میں بہت سے مذاہب اور ملتیں اپنی تاریخ کے کسی دور میں اور پیرانہ سحیت بالکل ابتداء ہی میں مبتلا ہو گئے تھے، قرآن کا یہ اعجاز اور اس کے من جانب الشہ ہونے کی دلیل ہے کہ اس نے قرآن مجید کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورۃ (فاتحہ) میں عیسائیوں کو "ذَٰلِکَ الصَّالِّیْنَ" کے لقب سے تمیز و مشخص کیا، اس لفظ اور وصف کے (جو یہودیوں کے وصف "الْمُخْضَوْبِ عَلَيْهِمُ" سے مختلف ہے) کی تخصیص کا راز وہی سمجھ سکتا ہے جو مسیحیت کی تاریخ اور اس کے نشو و نما ارتقاء کے مراحل سے بخوبی واقف ہے مسیحیت بالکل ابتدائی مرحلہ میں (جس کو ذور طفولیت کہنا بجا ہوگا) اس جادۂ حق سے بہت گئی جس پر حضرت مسیح علیہ السلام اس کو چھوڑ کر گئے تھے اور بالکل ایک دوسری سمت کی طرف اس کا قافلہ رواں دواں ہو گیا، اس سلسلہ میں صرف ایک شہادت کافی ہے، ایک مسیحی فاضل (ERNEST DE BUNSEN) اپنی کتاب (ISLAM OR TRUE CHRISTIANITY) میں لکھتا ہے۔

اے جیسا کہ بہت سے اثناعشریوں کا عقیدہ ہے۔

”جس عقیدہ اور نظام کا ذکر ہمیں انجیل میں ملتا ہے، اس کی دعوت حضرت مسیحؑ نے اپنے قول و عمل سے کبھی نہیں دی تھی، اس وقت عیسائیوں اور یہودیوں و مسلمانوں کے درمیان جو نزاع قائم ہے، اس کی ذمہ داری حضرت مسیحؑ کے سر نہیں ہے، بلکہ یہ سب اس یہودی، عیسائی بے دین پال کا کرشمہ ہے، نیز صحت مقدسہ کی تمثیل و تجسیم کے طریقہ پر تشریح، اور ان صحیفوں کو پیش گوئیوں اور مثالوں سے بھر دینے کا نتیجہ ہے۔ پال نے اسٹیفن (STEPHEN) کی تقلید میں جو مذہب ایسانی (ESSENIO) کا داعی ہے، حضرت مسیحؑ کے ساتھ بہت سی بودھ رسوم و البتہ کر دیں، آج انجیل میں جو متضاد کہانیاں اور واقعات ملتے ہیں، اور جو حضرت مسیحؑ کو ان کے مرتبہ سے بہت فروتر شکل میں پیش کرتے ہیں، وہ سب پال کے وضع کئے ہوئے ہیں، حضرت مسیحؑ نے نہیں، بلکہ پال اور ان کے بعد آنے والے پادریوں اور راہبوں نے اس سارے عقیدہ و نظام کو مرتب کیا ہے، جس کو آرتھوڈوکس مسیحی دنیا نے اٹھارہ صدیوں سے اپنے عقیدہ کی اساس قرار دے رکھا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَنَفِظُونَ (شک یہ کتاب نصیحت ہمیں آتاری

(سورہ حجر - ۹) ہے اور ہمیں اس کے گہبان ہیں۔

فضل و احسان جتانے کے ایسے خصوصی موقعہ پر اور حفاظت کے وعدہ کے ایسے صریح اعلان میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل، اور زندگی میں ان کا انطباق بھی قدرۃ شامل ہو جاتا ہے، ایسی کتاب کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے، اور اس کی

حفاظت کا کیا فائدہ اور نتیجہ ہے، جو مدت تک فہم کے لحاظ سے چیتان، اور عمل کے لحاظ سے معطل اور متروک ہے؟ خود عربی زبان کا بلیغ لفظ ”حفظ“ جس کا ”وَأَنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ میں وعدہ کیا گیا ہے، بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا گیا۔

إِنَّا عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا
قُرْآنُهُ فَأَتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ
عَلَيْنَا بَيَانَهُ

اس (قرآن) کا جمع کرنا اور پڑھوانا
ہمارے ذمہ ہے جب ہم وحی پڑھا کریں
تو تم (اس کو سن کر) پھر اسی طرح پڑھو

(سورۃ القیامتہ - ۱۷-۱۸-۱۹) پھر اس (کے معنی) کا بیان بھی ہمارے

ذمہ ہے۔

پھر وہ دین یوں بھی قابل اعتماد نہیں جس پر صرف چند مختصر وقفوں میں (جن کے درمیان ایسے وسیع اور گہرے خلا ہے) جن میں تاریکی اور ظلمت چھائی رہی، عمل کیا گیا، وہ درخت جو ایک طویل اور بہتر سے بہتر موسم پانے کے باوجود پھل نہ دے قابل اعتناء و اعتماد نہیں ہو سکتا، اور اس پر تَوَاتُرُ اُكْلِهِا كُلِّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّہَا کی قرآنی مثال صادق نہیں آ سکتی پھر یہ امت صرف امت دعوت اور اس کتاب آسمانی و پیغام الہی کے مخاطب ہی نہیں، وہ اس دین و پیغام کی حامل، اس کو دنیا میں پھیلانے، اس کی تفہیم و تشریح کرنے، اس پر عمل کی دعوت دینے، اور خود اس کا نمونہ بننے کی بھی ذمہ دار ہے، اس لئے اس کا فہم کتاب ایک ایسی قوم کے فہم سے زیادہ ہونا چاہئے جس کی صرف خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زبان میں یہ کتاب اتری ہے۔

۱۔ وہ درخت ہر زمانہ میں اپنے رب کی اجازت سے پھل دیتا ہے۔ (سورۃ ابراہیم - ۲۵)

۹۔ آخری بات یہ ہے کہ اسلام کو ایک معاون فضا، بلکہ زیادہ واضح اور محتاط الفاظ میں ایک مناسب موسم اور متعین درجہ حرارت و برودت (TEMPERATURE) کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ ایک زندہ انسانی دین ہے، وہ کوئی عقلی اور نظریاتی فلسفہ نہیں جو صرف دماغ کے کسی خانہ یا کتب خانہ کے کسی گوشہ میں موجود و محفوظ ہو، وہ بیک وقت عقیدہ و عمل، سیرت و اخلاق، جذبات و احساسات اور ذوق کے مجموعہ کا نام ہے، وہ انسان کو نئے سانچے میں ڈھالتا، اور زندگی کو نئے رنگ میں رنگتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو ”صبغة اللہ“ کی صفت سے یاد فرماتا ہے، صبغة ایک رنگ، امتیازی نشان اور نمایاں چھاپ ہے، اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ حساس (SENSITIVE) واقع ہوا ہے، اس کے متعین و معروف حدود ہیں، جن سے کوئی مسلمان تجاوز نہیں کر سکتا، کسی دوسرے مذہب میں ”ازداد“ کا نہ وہ واضح مفہوم پایا جاتا ہے، نہ اس کی وہ شاعت اور قیامت ہے، جو اسلامی شریعت اور اسلامی تصور میں پائی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات آپ کا اسوۂ مبارکہ و سنت (عقائد و عبادات سے لے کر اخلاق و معاملات اور احساسات و جذبات تک) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں، جس میں دین کا پودہ سرسبز اور بار آور ہوتا ہے، کیونکہ دین زندگی کے تمام شرائط و صفات (نمو و حرکت، بہتر از و فرحت، نفرت و کراہیت، احساس برتری و فخر) کا مجموعہ ہے، اس لئے وہ پیغمبر کے جذبات احوال اور اس کی زندگی کے واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اور اس کا بہترین مجموعہ احادیث صحیحہ اور محفوظ و مدون سنت نبویؐ ہے، دین ایک مثالی اور ماحولی ماحول کی نظیر کے بغیر زندہ و شاداب نہیں رہ سکتا، اور یہ ماحول حدیث نبویؐ کے ذریعہ

محفوظ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حامل قرآن کے صحیفہ حیات کی بھی حفاظت فرمائی، اسی کی بدولت حیات طیبہ کی فیض رسانی اور حیات بخشتی کا امتداد و تسلسل اس وقت تک باقی ہے، اسی کے نتیجے میں علمائے امت "معروف" و "منکر" "سنت" و "بدعت" اور "اسلام" و "جہالت" میں ہر دور میں فرق کرنے کے قابل ہوئے اور ان کے پاس وہ بیرومیٹر (BAROMETER) (ہوا کا دباؤ ناپنے کا آلہ) رہا جس سے وہ اپنے دور کے مسلمان معاشرہ کے اصل اسلامی عقیدہ و عمل سے بعد و انحراف کی پیمائش کرتے رہے، وہ امت کے دینی محاسبہ کا عمل جاری اور اصل دین کی دعوت کے فریضہ کو ہر دور میں قائم اور باقی رکھ سکے، سنت و حدیث کے یہ مجموعے، (جن میں صحاح ستہ ممتاز و معروف ہیں) اور ان کے درس و تدریس، نشر و اشاعت کی مشغولیت اور موقع ہمیشہ اصلاح و تجدید اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انھیں کی مدد سے اصلاح کا بڑا اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں شرک و بدعت اور رسوم جاہلیت کی تردید و مخالفت اور سنت کی اشاعت و ترویج کا جھنڈا بلند کیا اسی ذخیرہ نے علمائے دین اور اہل شعور کو شر و فساد اور بدعات و ضلالت کی طاقتوں اور تحریکوں سے پنچہ آزمائی کرنے اور ان کے مقابلہ میں کفن بردوش ہو کر صف آرا ہو جانے پر آمادہ کیا اور تاریخ کی شہادت ہے کہ اس امت میں اصلاح و تجدید کی تاریخ علم حدیث سے واقفیت و اشتغال اور سنت کی محبت و حمایت سے وابستہ و مربوط ہے جب بھی حدیث و سنت کی کتابوں سے علمی حلقوں کے تعلق و واقفیت میں کمی آئی،

یعنی صحیح بخاری صحیح مسلم سنن ابوداؤد جامع ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، امام مالک کی موطا بھی اسی درجہ کی کتابوں میں آتی ہے۔

اور دوسرے علوم و فنون میں ان کا انہماک بڑھا، مسلم معاشرہ اہل صلاح و اہل کمال کی
موجودگی میں نئی نئی بدعات، جاہلی و عجمی رسم و رواج، غیر مسلموں کے اختلاط، اور مذاہب غیر
کے اثرات کا شکار ہو گیا، اور کبھی کبھی یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا
ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس نہ بن جائے۔

یہ ہے دین کا وہ خاص مزاج، اور اس کے امتیازی صفات اور نمایاں خط و خال
جن سے دین کی اس شخصیت کی نمود اور بقل ہے جو اس کو دوسرے مذاہب اور فلسفوں
سے ممتاز کرتی ہے، ایک مسلمان کو اس سے واقف بھی ہونا چاہئے، اور اس کے بارے میں
اس کے اندر شدید غیرت و حمیت بھی پائی جانی چاہئے، اسی کے ذریعہ ہم ہر دور میں
حق و باطل کی آویزش نیز آمیزش میں (جو بعض اوقات آویزش سے بھی زیادہ خطرناک
ہوتی ہے) دین صحیح کی صراط مستقیم پر قائم بھی رہ سکتے ہیں، اور اس کی خدمت و حفاظت
کی سعادت و توفیق بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ "وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ"



لے اس اجمال کی تفصیل اور اس دعویٰ کے تاریخی شواہد و دلائل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ
"اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار" شائع کردہ مجلس نشریات
اسلام، کراچی۔

اہل سنت و الجماعۃ کے عقائد

صحیح عقائد کا حقیقی سرچشمہ اور قابل اعتماد ماخذ

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ جو علوم و معارف انسانوں تک پہنچے ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ، اہم اور ضروری علم خدا تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کا علم ہے، اس علم کا مصدر و منبع صرف انبیاء کرام ہیں، کیونکہ اس علم کے وسائل و ذرائع، اور اس کی ابتدائی معلومات و تجربات بھی انسان کے دسترس سے باہر ہیں، یہاں قیاس کی سرے سے بنیاد ہی نہیں، خدا تعالیٰ کا کوئی شبیہ و نظیر نہیں، اور وہ ہر طرح کی مشابہت و مماثلت سے منزہ، پاک اور بلند و برتر ہے، وہ ہر اس خیال، شاہد اور احساس سے وراء الوراۃ ہے جن سے انسان واقف و مانوس ہے، اور جن سے وہ مادی و حسی دنیا میں کام لیتا ہے، یہاں عقل و قیاس اور ذہانت و ذکاوت بھی کچھ مدد نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ وہ میدان نہیں ہے، جہاں عقل کے گھوڑے دوڑائے جائیں، اور قیاس کی پتنگیں اڑائی جائیں، شاعر نے صحیح کہا ہے ۵

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و ہم وز ہر چہ گفتہ ایم شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بیایاں رسیدم ماہچتاں در اقول وصف تو ماندہ ایم

یہ علم اس لئے سب سے بڑا اور افضل قرار دیا گیا کہ اسی پر انسانوں کی سعادت و فلاح موقوف ہے، اور یہی عقائد و اعمال، اخلاق و تمدن کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ انسان اپنی حقیقت سے واقف ہوتا، کائنات کی پہیلی بوجھتا، اور زندگی کا راز معلوم کرتا ہے، اسی سے اس عالم میں اپنی حیثیت کا تعین کرتا، اور اسی کی بنیاد پر اپنے ہم جنسوں سے اپنے تعلقات استوار کرتا ہے، اپنے مسلک زندگی کے بارے میں فیصلہ، اور پورے اعتماد، بصیرت اور وضاحت کے ساتھ اپنے مقاصد کا تعین کرتا ہے۔

اسی لئے ہر قوم و نسل، اور ہر دور و طبقہ میں اس علم کو سب سے بلند درجہ دیا گیا اور ہر سنجیدہ مخلص، یا مقصد اور انجام کی فکر رکھنے والے انسان نے اس علم سے گہری دلچسپی اور شغف کا اظہار کیا، کیونکہ اس علم سے ناواقفیت (خواہ شعوری و ارادی ہو یا غیر شعوری و غیر ارادی) ایسی محرومی کا سبب ہے جس کے بعد کوئی محرومی نہیں، اور ایسی ہلاکت و بربادی کا باعث جس سے بڑھ کر کوئی ہلاکت و بربادی نہیں۔

اس سلسلہ میں زمانہ ماضی میں عام طور پر دو طبقے رہے ہیں :-

۱۔ ایک طبقہ وہ ہے جس نے اس علم کے حصول کے لئے خدا کے ان پیغمبروں پر اعتماد کیا جن کو اللہ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا، اپنی صحیح معرفت عطا کی، اور اپنی ذات و صفات، اور اپنی مرضیات سے واقفیت کے لئے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا، اور ان کو یقین کی ایسی دولت بخشی جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں، وہ "نور" عطا کیا جس سے زیادہ بصیرت افزا اور قابل اعتماد کوئی روشنی نہیں ہو سکتی :-

وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُرِي إِلَٰهِيْمُ مَلَكُوْتَهُ ۖ
اور اس طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اور زمین کی بادشاہت کے جلوے
دکھاتے تھے تاکہ وہ خوب یقین کرنے

(سورۃ الانعام - ۷۱) والوں میں ہو جائیں۔

اسی جماعت انبیاء کے ایک فرد (حضرت ابراہیمؑ) نے اپنی قوم کو جب وہ اُن کے
خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں (بغیر کسی علم اور بغیر کسی نور کے) کٹ جھتی
کر رہی تھی جواب دیا:۔

أَتَجَئِلُ فِي أَدْنَىٰ هَٰؤُلَاءِ
کے

کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں رد و کہ

(سورۃ الانعام - ۸۱) کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے راہ حق

دکھا دی ہے۔

اس طبقہ کے افراد نے انبیاء کے کرام کا دامن تھام کر اور ان کے عطا کئے ہوئے
بنیادی حقائق و عقائد کی روشنی میں کائنات و انفس میں غور و فکر اور آیات الہی
اور صحیفہ آسمانی میں تدبیر کا سفر شروع کیا، اور اس کی مدد سے عمل صالح، تزکیہ نفس،
اور تہذیب اخلاق کا کام صحیح خطوط پر انجام دیا، انہوں نے عقل سے کام لینا چھوڑا
نہیں، صرف یہ کیا کہ اس کو صحیح راستہ پر ڈال کر اس سے وہ خدمت لی جو اس کے
کرنے کا کام، اور اس کا اصلی فائدہ تھا، انہوں نے دیکھا کہ اس کے بعد انبیاء کی تعلیمات
اور ان کے نتائج غور و فکر میں کمال ہم آہنگی ہے، اور وہ ایک دوسرے پر ہر تصدیق
ثبت کرتے ہیں اور ان کے ایمان و یقین میں اضافہ پر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

فَمَا زَادَهُم إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝

اور اس سے ان کے ایمان و اطاعت

(سورۃ الاحزاب - ۲۳) میں اضافہ و ترقی ہی ہوئی۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جس نے اپنی ذہانت اور علم پر کُلّی اعتماد و انحصار کیا، عقل کی لگام آزاد چھوڑ دی، اور قباس کے گھوڑے دوڑائے، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مطالعہ اور تحقیق میں اس طرح بے باکانہ تحلیل و تجزیہ سے کام لیا، جس طرح کسی کیمیاوی تجربہ گاہ (لیبارٹری) میں طبیعیاتی قوت یا کسی نباتاتی وجود کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں ”وہ ایسا ہے“ ”وہ ایسا نہیں ہے“ کے بے دھڑک فیصلے کرنے شروع کر دیئے، ان کے یہاں اس سلسلہ میں ”وہ ایسا نہیں ہے“ کی مقدار ”وہ ایسا ہے“ کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، اور یہ واقعہ ہے کہ جب انسان یقین و روشنی سے محروم ہو، تو اس کے لئے ”نفی“ ”اثبات“ سے زیادہ آسان ہوتی ہے، اسی لئے فلاسفہ یونان کے الہیات میں نتائج بحث و تحقیق اکثر منفی ہیں، اور کوئی دین، کوئی تہذیب، کوئی نظام حیات بھی ”نفی“ پر قائم نہیں ہوتا، یہ انبیاءؑ کے کرام کی شان نہیں ہے جو ”ما وراء حس و عقل“ حقائق کے بارے میں ”دیدہ بنیا اور گوش شنوا“ رکھتے ہیں۔

اسی لئے حکماء یونان کا الہیاتی فلسفہ متضاد خیالات و نظریات اور قیاسات و تخینات کا ایک جنگل ہے، جس میں آدمی گم ہو جائے، یا ایک بھول بھلیاں ہے جس میں داخل ہونے کے بعد نکلنے کا راستہ نہیں ملتا، اس گروہ میں پیش پیش وہ یونانی فلاسفہ ہیں، جو

لے یاد رہے کہ ”ما وراء عقل“ اور ”مخالف عقل“ میں بڑا فرق ہے، جو چیز ”ما وراء عقل“ ہے بالکل ضروری

نہیں کہ مخالف عقل بھی ہو، ما وراء عقل کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ عقل کے حدود سے باہر ہے اور

تنہا عقل اس کے علم و ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے، بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ ”مخالفت دوسری

چیز ہے اور نہ اسائی دوسری چیز اس لئے کہ مخالفت پہنچنے کے بعد تصور ہو سکتی ہے“ مکتوب ۲۳۔

زمانہ قدیم سے ذہانت و ذکاوت، طباعی، فلسفیانہ نکتہ آفرینی، شعر و شاعری، اور علم و فن میں شہور رہے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ علم الہیات میں ان میں سے کسی چیز کو مطلق دخل نہیں، اس لئے ان کی تمام کوششیں رائیگاں، اور کوہ کندن و کاہ بر آوردن کے مراد ثابت ہوئیں، اور وہ اس بحر ظلمات میں اسی طرح غوطے کھاتے رہے جس کی تصویر کشتی قرآن پاک کی اس آیت سے بہتر نہیں ہو سکتی۔

فِي بَحْرِ لُجِّي يَفْشَهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ گہرے سمندر کی اندھیری اور سمندر کو

مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَتَابٌ ظَلُمْتُ لہروں (کی چادر) نے ڈھانک رکھا ہوا

بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ ایک لہر کے اوپر دوسری لہر اور لہروں

يَدَا لَمْ يَكُنْ رِبْهَاءَ وَمَنْ لَّمْ کے اوپر بادل چھایا ہوا، گویا تاریکیاں ہی

يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَالَهُ مِنْ تاریکیاں ہوں، ایک تاریکی پر دوسری

نُورٍ تاریکی، آدمی اگر خود اپنا ہاتھ نکالے تو

(سورۃ النور۔ ۴۰) امید نہیں کہ بھائی دے اور جس کسی کے لئے

الشرہی نے اجالا نہیں کیا تو پھر اس کے

لئے روشنی میں کیا حصہ ہو سکتا ہے۔

ان کے پاس نہ ہدایت کی کوئی روشنی تھی، نہ علم و عرفان کی کوئی کرن، نہ محسوسات، سابقہ تجربات، ابتدائی مقدمات، اور بنیادی معلومات کا کوئی سہارا جس کے ذریعہ مجھوں تک پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔

اے عقل و استدلال کو کسی نتیجہ تک پہنچنے اور کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے کس طرح ابتدائی معلومات اور محسوسات کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ ان کی مدد سے مجھوں سے "معلوم" تک پہنچتی ہے اس کی (باقی صفحہ ۶۴ پر)

مزید برآں یہ کہ وہ قدیم، بوسیدہ اور رگ دیے میں سرایت کی ہوئی شرک و بت پرستی کا شکار اور ان خرافات و بے بنیاد روایات کے کشتہ و زخم خوردہ تھے، جو ان کے فلسفہ، شعر و شاعری، ادب اور مذہب میں رچی بسی اور ان کے جسم و جان میں پیوست تھیں، افلاک اور عقول کے بارے میں وہ ایک شرکازہ فلسفہ رکھتے تھے، جو سلا بعد سلا ان کو وراثت میں ملتا چلا آ رہا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کا الہیاتی فلسفہ اور یونانی علم الاصفیاء (GREECE MYTHOLOGY) کا ایک آمیزہ تھا، انھوں نے اپنے نظریات اور خیالات و اوہام کے بڑے شاندار اور مرحوب کن نام رکھ رکھے تھے، اور ان کو فلسفہ و فن کی حسین و جمیل پوشاک پہنا رکھی تھی۔

ہندوستان کے علاوہ (جو اپنے خاص فلسفہ (ویدانت) اور دیوالا میں مشہور رہا ہے) عام طور پر مختلف قوموں کے متکلمین و فلاسفہ نے انھیں کی تقلید کی اور ریاضیات و علم ہند اور بعض طبیعیاتی علوم میں ان کی مہارت و فن کاری کا لوہا مان کر ان پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آئے اور ان کی تحقیقات کو مسلمہ حقائق کا درجہ دے دیا، ہمیشہ سے انسانوں کی یہ کمزوری رہی ہے (جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنی گراں قدر تصنیف ”تہافت الفلاسفہ“ اور علامہ ابن خلدون نے اپنے عظیم مقدمہ میں ذکر کیا ہے) کہ جب وہ کسی ایک شعبہ میں کسی فرد یا جماعت کا لوہا مان لیتے، اور اس کے امتیاز و تفوق کو تسلیم کر لیتے ہیں، تو دوسرے تمام شعبوں میں بھی اس کی امامت کے قائل ہو جاتے ہیں، اور اس کے نظریات و نتائج بحث و تحقیق کو ایسے

(باقی ص ۶۳ کا) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ”مذہب و تمدن“ ص ۱۲۰ نیز الہیات میں عقل کی درمندی اور حکماء یونان کی اس میدان میں بوجہ بیوں کو معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ”تاریخ دعوت و غربیت“ جلد چہارم ص ۱۹۲-۲۰۰

مسئلہ اور ثابت شدہ علمی حقائق سمجھنے لگتے ہیں جن میں ان کے نزدیک بحث و تحقیق کی گنجائش اور جواز باقی نہیں رہتا، اور جن پر بحث کرنے والا (ان کے نزدیک) یا نوادان ہو گا یا تعصب اور ہیٹ دھرم۔

جہاں تک ان قوموں کا تعلق ہے جو زمانہ قدیم سے اپنے دینی سرمایہ کو کھوٹھٹی اور ہدایت و نور سے کسر محروم ہو گئی ہیں ان کا یطرز عمل قابل تعجب بات نہیں تعجب تو ان مسلمان دانشوروں پر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت اور اس کتاب الہی کی دولت سے سرفراز فرمایا جس کا وصف امتیازی یہ ہے :-

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ اس پر غلطی کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا

وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ ہے نہ پیچھے سے (یہ) دانا (اور)

حَمِيدٌ ۝ (سورہ حم السجده - ۴۲) خوبوں والے (خدا) کی آماری ہوئی ہے

قرون متاخرہ میں عالم اسلام کے بہت سے علمی و درسی حلقوں نے (خاص طور پر جو ایران کے خوشہ چیں تھے) اس فلسفہ کو من وعن تسلیم کیا، اور اس پر اس طرح سنجیدہ و عمیق بحثیں شروع کر دیں جیسے وہ مسلمات و حقائق بدیہیات اور عملی تجربات کا مجموعہ ہے یونانی فلاسفہ کے بہت سے خیالات و اوہام اور مفروضات کو جو محض قوت متخیلہ یا زور کلام کا نتیجہ تھے صحیح تسلیم کیا، اور ان میں سے بہت سوں نے (کبھی اسلام سے محبت و تعلق کی بناء پر اور کبھی اپنی کمزوری سے) قرآنی آیات کو اس کا تابع بنایا، اور ان کی دراز کار اور بے معنی ناوٹیں کیں اور ان کی اس طرح تفسیر کی کہ وہ یونانی الہیاتی فلسفہ کے "ثابت شدہ حقائق" اور "مسلمات" سے ہم آہنگ ہو جائیں اس سلسلہ میں اکثر ان سے غلطی اور لغزش ان کے اس اصول سے ہوئی کہ "واجب الوجود" کو "لوازم فاسدہ"

سے منزہ قرار دینا ضروری ہے اور یہ "لازم فاسدہ" اکثر ان کے ذہن کی اختراع اور ان کے مفروضات تھے، اس لئے بہت سے اسماء و افعال اور صفات الہی کے اثبات سے صرف اس لئے انھوں نے راہ فرار اختیار کی کہ اس سے "حدوث" لازم آتا ہے یا اس سے خدا کے لئے "جسمیت" لازم آتی ہے اور ذات قدیم کو جن امور سے منزہ ہونا چاہئے وہ ثابت ہوتے ہیں یہ ساری نکتہ آفرینیاں اس بنیاد پر تھیں کہ وہ خدا تھے کو انسان اور اپنے محدود تجربات پر قیاس کر رہے تھے، کیونکہ بہر حال یہ بات تصویر میں نہیں آتی، اور نہ اس کا کبھی تجربہ ہوا ہے کہ یہ صفات اپنے "لازم" کے بغیر پائی جائیں وہ بھول گئے کہ یہ صفات الہی ہیں، جن کا وجود ان "لازم" کا محتاج اور پابند نہیں ہے، ان میں سے بعض لوگوں نے صفات کی بالکل نفی کا بھی رجحان ظاہر کیا، اگرچہ ان میں کسی قدر بہتر وہ لوگ ہیں جو صفات کی تاویل کرتے ہیں یا ان کی اس طرح شرح و تفسیر کرتے ہیں جو نفی و تعطیل تک پہنچا دیتی ہیں اور صفات کی حکمت ہی فوت ہو جاتی ہے۔

ذوق و رجحان کے فرق کے ساتھ (جو قدرتی ہے) بہت سے لوگوں نے یہ راہ اختیار کی اور علم کلام بنتا گیا، اور اس کے مباحث پھیلتے گئے، لیکن مسلمانوں کو ایک ایسے مشکل کی ضرورت تھی، جو کتاب و سنت اور سلف کے عقائد پر اپنے عقائد و افکار کی بنیاد رکھے، انھیں کو اصل و اساس قرار دے، اور فلسفہ و علم کلام کے مباحث پر ایک قابل بحث و اختلاف موضوع کی حیثیت سے غور کرے، جس کے کچھ اجزاء قبول بھی کئے جاسکتے ہیں، اور کچھ اجزاء رد بھی کئے جاسکتے ہیں، وہ اس کا آزادانہ علمی محاکمہ کرے (جس میں مرغوبیت کا شائبہ نہ ہو) یونانی فلاسفہ اور ان کے مقلدوں اور شاگردوں کے نتائج غور و فکر کا صرف وہ حصہ قبول کرے جو صحیح دلیل سے ثابت اور علم و تحقیق کے میزان میں پورا اترتا ہو، وہ ارسطو اور اس کے

ہم مرتبہ اور ہم طبقہ فلاسفہ کو نہ خدائے علیم وخبیر کا درجہ دے نہ خطا و لغزش سے محفوظ
 انبیاء معصومین کا، مسلمانوں کو ایسے نابغہ روزگار مفکروں یا پابند نصوص مجتہدوں
 یقین آفریں اور علمی و فکری حیثیت سے ایسی قدآور شخصیتوں کی ضرورت تھی جو فلسفہ پر
 کامیابی کے ساتھ عمل جراحی بھی کر سکیں اور اس کا نعم البدل بھی مہیا کر سکیں وہ فلسفہ
 اور فلسفیوں کے آراء و نظریات سے آنکھیں ملا کر بات کریں قرآن پر اس طرح ان کا ایمان ہو
 جس طرح وہ نازل ہوا، خدا تعالیٰ کی صفات و افعال کو بغیر کسی تحریف و تاویل کے ویسا ہی
 مانتے ہوں جیسا وہ خود ان کے بارے میں فرماتا ہے اور ان حقائق کی وہ ایسی تفسیر کرتے
 ہوں جس کو عقل و منطق تسلیم کرے اور علم و دلیل جس کے مؤید ہوں یہ دانش کدہ قرآنی اور
 دستان علوم نبوی سے فیض پانے والے وہ علماء حق تھے جو فلسفہ اور اس کے بھاری بھر کم
 اصطلاحات کی غلامی اور مرعوبیت سے ہر طرح آزاد تھے وہ عقائد میں کتاب الشرا و
 سنت متواترہ کے پابند تھے اور خدا تعالیٰ پر انھیں صفات کے ساتھ ایمان و عقیدہ
 رکھتے تھے جو اس نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں ایک حدیث میں علماء حق کی
 جو تعریف آئی ہے وہ ان پر پورے طور پر صادق تھی۔

ینفون عن هذا الدین تحریف وہ غالی لوگوں کی تحریف باطل پرستوں

الغالبین وانتحال المبطلین و تاویل کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویلات

الجاہلین۔ سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان علماء اسلام سے کوئی دور خالی نہیں رہا، ان نمایاں شخصیتوں کی ٹھوس صدی بھری

لہ بروایت بہقی حدیث کے الفاظ یوں ہیں: "یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون

عنه تحریف الغالبین۔ الخ"

کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرّانی (م ۷۲۸ھ) ہیں جیسا کہ اکابر علماء کی شہادت ہے اور ان کی کتابیں بھی اس پر شاہد عدل ہیں وہ ایک طرف ان تمام حقائق پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں اور کتاب الشرحین پر مشتمل ہے، مکمل اور غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے، قرن اول اور سلف صالحین کے عقائد پر ان کو پورا اطمینان اور شرح صدر حاصل تھا، دوسری طرف وہ ان تمام کلامی مباحث کے دریا کے کنارے تھے، جو امت اسلامیہ میں ان سے پہلے زیر بحث رہے انھوں نے یونانی فلسفہ و منطق اور ان مکاتب فکر کا گہرا وسیع و ناقدانہ مطالعہ کیا تھا، جو دنیا کے اسلام پر صدیوں اثر انداز رہ چکے تھے، وہ ان فلسفیانہ دعاوی اور اصول کے بے باک آزاد اور طاقت ور ناقد تھے، جو اقلیدس کے اصول موضوعہ کی طرح بے چوں و چرا تسلیم کئے جاتے لگے تھے، ان کو خدا نے ایک ایسا شاگرد رشید اور جانشین بھی عطا فرمایا جو انھیں کے نقش قدم پر چلتے رہے، ان کے مطالب کی تفصیل و توضیح، ان کے کام کی تکمیل اور نشر و اشاعت کو انھوں نے زندگی کا مقصد بنالیا، وہ علامہ ابن قیم جوزیہ (م ۷۵۰ھ) ہیں۔

ان کے بعد ان خصوصیات و خدمات میں اگر کسی کا نام پورے اعتماد سے لیا جاسکتا ہے، تو وہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۶۵ھ) مصنف ”حجۃ اللہ الباقیہ“ ہیں، جو ایک طرف سلف صالحین کے عقائد کے ترجمان و شارح، قرآن کے دقیق النظر مفسر، علم حدیث کے ماہر خصوصی، فقہ و اصول فقہ کے تبحر عالم اور اسرار و مقاصد شریعت کے راز داں تھے، اور ان کا علم و فقہ اجتہاد مطلق کی سرحدوں کو چھو رہا تھا،

اے نواب سید صدیق حسن خاں لکھتے ہیں کہ ”اگر وہ دور اول میں ہوتے تو بڑے مجتہدین میں شمار ہوتے“ شاہ صاحب کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ”نہجۃ الخواطر“ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، جلد ۶۔

دوسری طرف انھوں نے یونانی فلسفہ کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا، اور علوم حکمت و تصوف سے علمی و عملی واقفیت رکھتے تھے، انھوں نے ہندوستان میں علم حدیث کو رواج دیا اور اس دولت کو جو ہندوستان کے لئے "کنز مخفی" کھلی عام کیا، انھوں نے ابن تیمیہ اور محدثین کا اس وقت دفاع کیا جب ان کا نام لینا مشکل تھا، اور اسلام اور شریعت اسلامی کے مقاصد و اسرار پر ایسی مجتہدانہ کتابیں لکھیں جن کی نظیر عالم اسلام کا وسیع کتب خانہ بھی آسانی سے پیش نہیں کر سکتا۔

شاہ صاحبؒ ان کے ہم مسلک اور ان کے پایہ کے علماء اسلامی عقائد کی تشریح و تفہیم اور اس کو پیش کرنے کے لئے سب سے زیادہ اہل و موزوں تھے، کیونکہ وہ "لفظیت" اور "تاویل" کے درمیان راہ اعتدال پر قائم ہیں، ان کی کتاب "العقیدۃ المحمّدیہ" مطالب کی گہرائی اور عبارت کی سلاست و روانی دونوں کی جامع ہے، یہ کتاب علم توحید (جس کو عام طور پر علم کلام سے موسوم کیا جاتا ہے) کا ایک ایسا متن ہے جس میں اہل سنت کے عقائد کا وہ لب لباب آگیا ہے جس سے ہر اس پڑھے لکھے مسلمان کو واقف ہونا چاہیے، جو اپنے تئیں اہل سنت میں شمار کرتا ہو، اور ان کے عقائد کو اپنا شعار بنانا چاہتا ہو، اسی لئے اس باب میں اسی کو بنیاد بنایا گیا ہے، سلف کی بعض دوسری قابل اعتماد کتابوں (جیسے "عقیدۃ الطحاوی" اور عقائد کے سلسلہ کی بعض معتبر کتابوں سے بھی استفادہ) اور کتاب کے مطالب میں اضافہ کیا گیا ہے۔

بنیادی اسلامی عقائد

اس کارخانہ قدرت کا ایک "قدیم" صانع ہے، جو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا،

لے شلا حجة الشرا بالنعمة، ازالة الخفاء، انقوز البکیر۔

اس کا وجود حتمی اور اس کا معدوم ہونا محال ہے وہ تمام صفات کمال سے متصف اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے تمام معلومات اس کے علم میں ہیں تمام ممکنات پر وہ قادر ہے اور تمام کائنات اسی کے ارادہ سے ہے وہ حیات سے متصف ہے، مسح (سننے والا) ہے بصیر (دیکھنے والا) ہے اس کا کوئی شبہ ہے نہ اس کا کوئی مقابل اور ہم سر و مہل ہے اس کا کوئی مددگار نہیں واجب الوجود ہونے اور عبادت کے مستحق ہونے اور تمام مخلوقات کی پیدائش اور پوری کائنات کے انتظام و انصرام میں اس کا کوئی شریک و معین نہیں عبادت (یعنی غایت تعظیم و تقدیس) کا صرف وہی مستحق ہے صرف وہی ہے جو مریض کو شفا دیتا، مخلوق کو رزق عنایت فرماتا، اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے اس کی شان ہے:-

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے

(سورہ نیس - ۸۲) "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حلول و اتحاد سے پاک ہے (وہ نہ کسی دوسرے کے قالب میں اتر جاتا ہے نہ کسی سے متحد ہوتا ہے) اس کی ذات و صفات حد و ث سے مترا ہیں وہ نہ جوہر ہے نہ عرض نہ جسم نہ کسی جگہ اور سمت میں محدود نہیں وہ عرش کے اوپر ہے (مستوی علی العرش ہے) قیامت کے دن مومنوں کو اس کا دیدار ہوگا، جو وہ چاہتا ہے سو ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا اسے صفات کے اپنے متعلقات کے ساتھ تعلق میں تو حد و ث پایا جاتا ہے لیکن اصل صفات ذات کی طرح حد و ث سے پاک ہیں لہ جوہر وہ چیز ہے جو اپنی ذات سے قائم ہو اور کسی چیز میں ہو۔ لہ عرض وہ چیز ہے جو کسی ایسے محل کا محتاج ہو جس پر وہ قائم ہو سکے۔

نہیں ہوتا، وہ غنی ہے کسی چیز کا محتاج نہیں اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا، اس سے پوچھا نہیں جاسکتا کہ وہ کیا کر رہا ہے (برخلاف مخلوق کے کہ اس سے پوچھا جاسکتا ہے) کسی کے واجب کرنے سے کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہوتی، حکمت اس کی صفت ہے اس کا ہر فعل حکیمانہ ہے اس کے علاوہ کوئی حاکم (حقیقی) نہیں۔

تقدیر اچھی ہو یا بُری اللہ کی طرف سے ہے، اس کا ازلی و ذاتی علم ہر اس واقعہ کو جو وجود میں آچکا ہے، یا آئے گا محیط ہے، وہی واقعات کو ان کے وجود سے پہلے قابل وجود بناتا ہے اس کے بلند مرتبہ اور مقرب فرشتے ہیں اور دوسرے وہ فرشتے ہیں جن کو بندوں کے اعمال لکھتے اور مصیبتوں اور آفتوں سے ان کی حفاظت کرنے اور خیر کی طرف بلانے پر مامور کیا گیا ہے وہ بندے کے لئے خیر کا سبب بنتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی مخلوق شیاطین بھی ہیں جو آدمیوں کے لئے شر کا سبب بنتے ہیں اور اس کی مخلوقات میں سے جنات بھی ہیں۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے الفاظ و معانی سب اللہ کی طرف سے ہیں وہ مکمل ہے تحریف (نقص و اضافہ اور تبدیلی) سے محفوظ ہے جو اس میں تحریف یا کمی زیادتی کا قائل ہو وہ مسلمان نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں انحراف و تحریف یعنی جو صفت نازیبا ہے

۱۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ تقدیر پر (اچھی ہو یا بُری) ایمان نہ لائے اور جب تک یہ جان نہ لے کہ جو کچھ اس کو پہونچا ہے وہ اس سے بچ کر نکل نہیں سکتا تھا، اور جس سے بچ کر نکل گیا وہ اس تک پہونچ نہیں سکتا تھا۔ (ترمذی شریف)

اس سے اس کو موصوف کرنا، یا اس کی صفات کی ایسی تاویل کرنا جو اس کے شایان شان نہیں، جائز نہیں، اور اس بارے میں صرف شریعت کا فیصلہ معتبر ہے۔

معاد جسمانی برحق ہے، جزا و سزا اور حساب برحق ہے، بل صراط قرآن و سنت کے ثابت ہے، جنت برحق ہے، دوزخ برحق ہے، وہ پیدا کی جا چکی ہیں۔

کبار کا مرتکب سلمان ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، شفاعت ان کے حق میں برحق ہے، جن کے بارے میں اللہ اجازت دے، کبار کے مرتکب اُمتیوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت برحق ہے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، فاسق کے لئے عذاب قبر اور مومن کے لئے قبر کا آرام و راحت برحق ہے، منکر و نکیر کا سوال کرنا برحق ہے، مخلوق کی طرف انبیاء کی بعثت برحق ہے، اور انبیاء کے کرام کی زبانی اور ان کے واسطے سے خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں کو امر و نہی کا مکلف قرار دینا برحق ہے، انبیاء کے کرام مجموعی طور پر کچھ ایسی امتیازی صفات سے متصف ہوتے ہیں، جو دوسرے انسانوں میں نہیں پائی جاتیں، اور وہ ان کیلئے نبوت کی دلیل ہوتی ہیں، جن میں خوارق عادات، جن کو معجزات کہا جاتا ہے، سلامتی فطرت اور مثالی اخلاق وغیرہ صفات ہیں، انبیاء کے کرام، کفر، کبار کے عدا مرتکب ہونے، اور ان پر قائم رہنے سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، آپ کی دعوت ساری دنیا، تمام انسانوں اور جنات کے لئے ہے، اس امتیاز و خصوصیت میں، اور اس کے علاوہ اس جیسی دوسری خصوصیات میں وہ سب نبیوں میں افضل ہیں، آپ کی رسالت پر ایمان لائے بغیر ایمان معتبر اور کوئی دین برحق نہیں، اسلام ہی واحد دین برحق ہے، اس کے سوا کوئی دین خدا کے یہاں مقبول اور آخرت میں

ذریعہ نجات نہیں ہے۔

معراج برحق ہے آپ کو بحالت بیداری رات میں بیت المقدس اور وہاں سے جہاں خدا نے چاہا لے جایا گیا۔

اولیائے عظام کی (الشہ کے وہ مومن بندے، جو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے عارف اور اپنے ایمان میں مقام احسان تک پہنچے ہوئے ہیں) کرامات حق ہیں، جس کو خدا چاہتا ہے ان سے نوازا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت خاصہ سے سرفراز فرماتا ہے، تکلیف شرعی کسی سے ساقط نہیں ہوتی، خواہ وہ ولایت مجاہدہ اور جہاد کے کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہو، وہ فرائض کا ہمیشہ مکلف رہے گا، کوئی حرام چیز یا معصیت جب تک آدمی صحیح انکوائس اور عاقل ہے اس کے لئے جائز نہ ہوگی، نبوت ولایت سے مطلقاً افضل ہے، کوئی ولی خواہ کتنا ہی بڑا ہو کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، خواہ وہ صحابی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہ ہو، صحابہ کرام کی ازلیائے عظام پر فضیلت، ثواب کی کثرت اور خدا تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی عظمت پر ہے، نہ کہ کثرت عمل پر۔

۱۔ اس میں وحدت ادیان (سب دین حق ہیں اور سب راستے خدا تک پہنچانے والے ہیں) کے عقیدہ و خیال کی نفی و تردید ہے جو عہد حاضر کا ایک فتنہ اور ہندوستان کا قدیم طرز فکر اور دعوت ہے ۲۔ اوامر و نواہی خداوندی کا مخاطب اور شرعی فرائض و واجبات کا مکلف ہونا اور ان کے نتیجہ میں (آخرت میں) جزا و سزا کا مستحق ہونا۔ ۳۔ صحیح حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو، تم میں سے کوئی شخص اگر اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو وہ ان میں سے کسی کے مدد (ایک کلو کے بقدر قدیم پیمانہ) اور آدھے مدد کے برابر ہی نہ ہوگا۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بہترین مخلوق، اور بہترین مومنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں، عشرۃ بسترہ کے لئے جنت اور خیر کی ہم شہادت دیتے ہیں، اہل بیت اور ازواج مطہرات کی جو (اہبات المومنین میں) عظمت و توقیر کرتے ہیں، ان سے محبت رکھتے ہیں، اور اسلام میں ان کے بلند مقام کے معترف ہیں، اسی طرح اہل بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کے مقام کے معترف ہیں، اہل سنت تمام صحابہ کرام کی عدالت کے قائل ہیں، ان کی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے، اور ان کے نزاعات و اختلافات کے بارے میں گفت و گو اور احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام و خلیفہ برحق تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، پھر خلافت علی منہاج النبوة ختم ہو گئی، حضرت ابو بکر و حضرت عمر امت محمدیہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں علی الترتیب سب سے افضل ہیں، ہم صحابہ کرام کا صرف ذکر خیر ہی کرتے ہیں، وہ ہمارے دینی قائد و رہنما ہیں، ان کو برا بھلا کہنا حرام ہے، اور ان کی تعظیم واجب ہے۔

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے، ہاں مگر جو اللہ تعالیٰ کے اس کائنات

۱۔ شاہ صاحب اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ ہم (خلفائے ثلاثہ کی) من کل الوجہۃ
 ۲۔ فضیلت کے جس میں علو نسب، شجاعت و دلیری، قوت جسمانی اور علم وغیرہ صفات بھی آتی ہیں، قائل
 نہیں ہیں، بلکہ اسلام کے لئے ان کے زیادہ مفید و کارآمد ہونے کی حیثیت سے افضلیت کے قائل ہیں۔
 ۳۔ متکلمین کی اصطلاح میں "اہل قبلہ" وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین یعنی وہ امور جن کا ثبوت کتاب و سنت
 و اجماع کے قطعی طریقہ پر ہو چکا ہے، پر ایمان رکھتے ہیں، اگر کوئی محض ضرورتاً دین میں کسی چیز کا مثلاً عالم کے حدود، قبروں
 (باقی صفحہ ۷۵ پر)

خالق اور قادر و مختار ہونے کا انکار کرے، یا غیر الشریٰ کی عبادت کرے، یا آخرت یا نبی کا انکار کرے، یا ضروریات دین (وہ امور جن کا ثبوت دین میں معلوم و شہور ہے) میں سے کسی چیز کا انکار کرے، وہ کافر ہے، معصیت کو جائز سمجھنا (بشرطیکہ اس کا معصیت ہونا ثابت ہو) کفر ہے، شرعیت کا مذاق اڑانا، اور اس کے احکام کے ساتھ تسخر کفر ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (اس شرط کے ساتھ کہ فتنہ کا سبب نہ ہو) اور بات مان لینے کا گمان غالب ہو، واجب ہے، ہم تمام انبیاء و رسل اور ان پر نازل ہونے والی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور انبیاء میں باہم تفریق نہیں کرتے۔

ایمان زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق کا نام ہے، بندوں کے افعال خدا تعالیٰ کے "خلق" اور بندوں کے "کسب" سے ہیں، علامات قیامت پر جیسا کہ حدیث میں وارد ہوئی ہیں، ہم یقین رکھتے ہیں، اجتماعیت اور اتحاد کو ہم حق اور ثواب کی چیز اور انتشار و افتراق کو گمراہی و گم روی اور عذاب کا سبب سمجھتے ہیں۔

توحید دین خالص اور شرک کی حقیقت

عبودیت کی بنیاد عقائد اور ایمان کی تصحیح پر ہے، جس کے عقائد میں خلل اور ایمان میں

(باقی صفحہ کا) اٹھائے جانے خدا کے تمام جزئیات سے واقف ہونے، نماز و روزہ کی فرضیت وغیرہ کسی امر کا منکر ہو تو وہ اہل قبلہ میں شمار نہیں کیا جائیگا، خواہ وہ کتنے ہی مجاہدات و ریاضات کرتا ہو، اسی طرح اگر کفر و انکار کی علامتوں مثلاً بت کے سامنے سجدہ، کسی حکم شرعی کا مذاق و تسخر جیسی کوئی حرکت کرتا ہے تو وہ بھی اہل قبلہ میں سے نہیں۔ اے ضروریات دین دین کے وہ حقائق و احکام جو قرآن، سنت متواترہ اور صریح اجماع کی بنیاد پر دلیل قطعی (یقینی) سے ثابت ہو، اگر ان کا تعلق عقائد سے ہے تو ان پر ایمان رکھنا ضروری اور اگر اعمال سے ہے تو ان پر عمل کرنا فرض ہے۔ اے تلخیص از "العقیدۃ المحمدیہ" از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح اضافات و اقتباسات از کتب توحید و عقائد۔

بگاڑ ہوا، اس کی نہ کوئی عبادت مقبول نہ اس کا کوئی عمل صحیح مانا جائیگا، اور جس کا عقیدہ درست اور ایمان صحیح ہو اس کا تھوڑا عمل بہت ہے، اس لئے ہر شخص کو اس کی پوری کوشش کرنا چاہئے کہ اس کا ایمان و عقیدہ صحیح ہو، اور صحیح ایمان و عقیدہ کے حصول اور اس پر اطمینان اس کا مقصود عمل اور فتہائے آرزو ہو، اس کو ناگزیر اور بے بدل سمجھو اور اس میں ایک لمحہ بھی تاخیر سے کام نہ لے۔

صاف ذہن، گہرائی اور حق کی تلاش کے جذبہ کے ساتھ قرآن پاک کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے کفار اپنے معبود باطل کو اللہ وحدہ لا شریک نہ کا بالکل ہم سر و مساوی اور ہم مرتبہ قرار نہیں دیتے تھے، بلکہ وہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ مخلوق اور بندے ہیں، ان کا کبھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ان کے معبود خدا تعالیٰ سے قدرت و طاقت میں کسی طرح کم نہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک ہی پڑے میں ہیں، ان کا کفر و شرک صرف یہ تھا کہ وہ اپنے معبودان باطل کو پکارتے، ان کی دہائی دیتے، ان پر نذریں چڑھاتے، اور ان کے ناموں پر قربانیاں کرتے، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارشی، مشکل کشا، اور کار ساز سمجھتے تھے، اس لئے ہر وہ شخص جو کسی کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو کفار اپنے معبودان باطل کے ساتھ کرتے تھے تو گو کہ وہ اس کا اقراری ہو کہ وہ ایک مخلوق اور خدا کا بندہ ہے، اس میں اور زمانہ جاہلیت کے بڑے سے بڑے بت پرست میں بحیثیت مشرک ہونے کے کوئی فرق نہ ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

”جاننا چاہئے کہ توحید کے چار درجات ہیں۔

۱۔ دیکھئے ”تقویۃ الایمان“ از مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ۔

۱۔ صرف خدا تعالیٰ کو واجب الوجود قرار دینا، لہذا کوئی اور واجب الوجود نہیں۔

۲۔ عرش، آسمان و زمین، اور تمام قائم بالذات اشیاء کا خالق صرف خدا کو سمجھنا۔

یہ دو درجے وہ ہیں جن سے آسمانی کتابوں نے بحث کی ضرورت نہیں تھی اور نہ

مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کو ان کے بارے میں اختلاف و انکار تھا، بلکہ

قرآن کریم اس کی صراحت کرتا ہے، کہ یہ دونوں مرتبے ان کے نزدیک مسلمات

میں سے ہیں۔

۳۔ آسمان و زمین کے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کے انتظام و انصرام

کو صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص سمجھنا۔

۴۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی کو مستحق عبادت نہ گردانا۔

یہ دونوں درجے طبعی ربط کی وجہ سے باہم دیگر پیوست اور لازم و ملزوم کی

حیثیت رکھتے ہیں انہیں دونوں درجوں یا قسموں سے قرآن عظیم نے بحث کی ہے

اور کافروں کے شکوک و شبہات کا شافی و دافی جواب دیا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک کے معنی صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کو خدا تعالیٰ کا ہم مرتبہ

و ہم سر قرار دیا جائے، بلکہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے ساتھ وہ کام یا وہ معاملہ

کرے جو خدا تعالیٰ نے اپنی بلند بالا ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے اور جس کو عبودیت

بندگی کا شعار بنایا ہے جیسے کہ کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا کسی کے نام پر قربانی کرنا یا نذر

ماننا، مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور اس کو

۱۔ اسی کو توحید الربوبیہ کہا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

لَيَقُولَنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ (الزخرف - ۹) ۱۔ اس کو توحید الوہیت کہا جاتا ہے۔

۱۔ حجۃ الہدایہ ج ۱ / ص ۵۹-۶۰ باختصار

کائنات میں تصرف سمجھنا، یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے اور انسان ان کے شرک ہو جاتا ہے خواہ اس کا یہ اعتقاد ہی کیوں نہ ہو کہ یہ انسان، فرشتہ، یا جن، جس کے سامنے وہ سجدہ ریز ہو رہا ہے، یا جس کے نام پر قربانی کر رہا ہے، نذریں مان رہا ہے اور جس سے مدد مانگ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے بہت کم مرتبہ اور پست مقام ہے اور چاہے یہ مانتا ہو کہ اللہ ہی خالق ہے اور یہ اس کا بندہ اور مخلوق ہے، اس معاملہ میں انبیاء اولیاء جن و شیاطین، بھوت پریت سب برابر ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ بھی جو یہ معاملہ کرے گا وہ شرک قرار دیا جائیگا، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان یہود و نصاریٰ کو جنہوں نے اپنے راہبوں، پادریوں اور پرہتوں کے بارے میں اس طرح مبالغہ و غلو کا طریقہ اختیار کیا، جس طرح مشرکین نے اپنے معبودانِ باطل کے بارے میں انہیں صفات سے یاد کیا ہے، جن صفات سے بت پرستوں اور شرکوں کو یاد کیا ہے اور ان غالی اور راہ حق سے ہٹے ہوئے لوگوں پر اسی طرح اپنے غضب و ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جس طرح غالی شرکوں پر، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح و بن	اتَّخَذُوا الْخَبَارَ هُمْ وَرَبَّيَانَهُمْ زُبَا
مریم کو اللہ کے سوا خدا بنایا، حالانکہ ان کو	مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ
یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوائے	وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا
کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی	لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ
معبود نہیں، اور وہ ان لوگوں کے شریک	(سورۃ التوبہ - ۳۱)

مقرر کرنے سے پاک ہے۔

شُرک کے مظاہر و اعمال اور جاہلی رسم و رواج

اس اصولی اور عام بات کے بعد ضرورت ہے کہ ان کمزوریوں، بیماری اور اس عالمِ آشوبِ فتنہ کی ان جڑوں کی نشان دہی کر دی جائے جو جاہلوں، خارجی اثرات اور جاہلی رسم و رواج سے متاثر اقوام و ملل، اور ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جن کا نشو و نما صحیح اسلامی تعلیمات، کتاب و سنت کے علم، اور دینِ خالص کی دعوت سے دور اور صحیح اسلامی تعلیمات سے محروم ماحول میں ہوا، ان کمزوریوں کی نشان دہی اور جسمِ بیمار میں ان امراض کی صحیح تشخیص و عیّن ضروری ہے۔

ہر گہر اور محیطِ علم، ارادہٴ مطلقہ، اور آزاد و غیر محدود تصرف اور قدرتِ کاملہ خدا تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے اور عبادت کے اعمال اور شعائر جیسے سجدہ یا رکوع کا کسی کے سامنے کرنا، کسی کے نام پر اور اس کی خوشنودی کے لئے روزہ رکھنا، دور دور سے اہتمام کے ساتھ کسی جگہ کے لئے شہرِ حال (طویل طویل سفر کر کے جانا) اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو بیت اللہ کو زیبا ہے، اور وہاں قربانی کے جانور لے جانا، اندریں اور تئیں ماننا، شرک کے کام اور شرک کے مظاہر ہیں، تعظیم کے وہ طریقے اور علامتیں جو عبودیت اور غایتِ ذلت کی مظہر ہوں، صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، علم غیب صرف خدا تعالیٰ کو ہے اور انسانی قدرت سے باہر ہے، دلوں کے بھیدوں اور خیالات اور غیتوں کا علم ہر وقت کسی کے لئے ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ کو سفارش قبول کرنے اور اہل و جاہلست اور با اثر و اقتدار لوگوں کو راضی و خوش کرنے میں دنیا کے بادشاہوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے ایسی ہر چھوٹی اور بڑی بات میں (ان کے بجائے) خدا ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے،

شاہان دنیا کی طرح کائنات کے انتظام، اور درباریوں اور وزراء و اعوان سے مدد لینا خدا کے شاہانِ شان نہیں ہے، کسی قسم کا سجدہ سوائے خدا کے کسی کے لئے جائز نہیں، حج کے مناسک و اعمال، غایت درجہ کی تعظیم کے مظاہر اور محبت و فنائیت کے تمام شعائر بیت اللہ اور حرم محترم کے ساتھ خاص ہیں، صاحبین اور اولیاء کے ساتھ جانوروں کی تخصیص، ان کا احترام کرنا، ان کی نذریں چڑھانا، اور ان کی قربانی کے ذریعہ ان سے تقرب حاصل کرنا حرام ہے، عاجزی و انکساری کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم صرف خدا تعالیٰ کا حق ہے، تقرب و تعظیم کے جذبہ سے قربانی کرنا صرف اللہ کا حق ہے، کائنات میں آسمانی برجوں (نہجروں) سیاروں کی تاثیر پر اعتقاد رکھنا شرک ہے، کاهنوں، نجومیوں اور غیب کی باتیں بتانے والوں پر اعتماد کرنا کفر ہے۔

نام رکھنے میں بھی مسلمانوں کو توحید کے شعار کا اظہار کرنا چاہئے، غلط فہمی پیدا کرنے والے اور جس سے شرکانہ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہو ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہئے، خدا کے علاوہ کسی کی قسم کھانا شرک ہے، غیر اللہ کی نذریں ماننا حرام ہے، اسی طرح کسی ایسے مقام پر قربانی کرنا جہاں کوئی بُت تھا، یا جاہلیت کا کوئی جشن منایا جاتا تھا، ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں افراط و تفریط، اور نصاریٰ کے اپنے نبی کے بارے میں غلو و مبالغہ کی تقلید اور اولیاء و صاحبین کی تصویروں اور شبیہوں کی تعظیم کرنے سے پرہیز اور مکمل احتیاط کرنا چاہئے۔

نبوت کا بنیادی مقصد اور بعثت کی اہم غرض عالمگیر مشرکانہ جاہلیت کا انکسار ہے

اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ اور عباد و معبود کے باہمی تعلق کی تصحیح اور صرف ایک کی بندگی

کی دعوت ہر زمانہ اور ہر جہاں میں انبیاء کے کرام علیہم السلام کی پہلی دعوت اور ان کی بعثت کا اولین اور اہم ترین مقصد رہا ہے، ہمیشہ ان کی تعلیم یہی رہی ہے کہ اللہ ہی نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، اور صرف وہی عبادت، دعاء، توجہ اور قربانی کا مستحق ہے۔ انہوں نے ہر دور میں اپنے زمانہ میں جاری و ساری و ثنیت پر ضرب کاری لگائی جو موزوں مقدس و صالح، زندہ و مردہ شخصیتوں کی پرستش کی صورت میں جلوہ گر تھی، ان مستیوں کے بارے میں اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت و عظمت اور عبودیت کے خلعت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو خاص خاص انور میں تصرف کا اختیار بھی دے رکھا ہے، اور انسانوں کے بارے میں ان کی سفارشوں کو علی الاطلاق قبول فرماتا ہے، جیسے تہنشاہ اعظم ہر علاقہ کے لئے ایک حاکم بھیج دیتا ہے، اور بعض بڑے اور اہم امور کے علاوہ علاقہ کے انتظام کی ساری ذمہ داری انہیں کے سر ڈال دیتا ہے، اس لئے انہیں کی طرف رجوع، اور انہیں کو راضی کرنا مفید اور ضروری ہے۔

جس شخص کو قرآن سے کچھ بھی تعلق ہے (جو پچھلی تمام کتابوں کی تعلیمات کا جامع ہے) اس کو یقینی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی اس سے جنگ کرنا، اس کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کو اس کے چنگل سے ہمیشہ کے لئے نجات دلانا، نبوت کا بنیادی مقصد تھا، انبیاء کی بعثت کی اصل غرض، ان کی دعوت کی اساس، ان کے اعمال کا غنہا، اور ان کی جدوجہد کی غایت اصلی یہی تھی، یہی ان کی دعوتی سرگرمیوں کا محور و مرکزی نقطہ تھا، قرآن کبھی تو ان کے بارے میں

www.KitaboSunnat.com

اجمالاً کہتا ہے :-

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ • اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرح

إِلَّا تُؤْتِي إِلَهًا ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا ۚ
یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں

فَاعْبُدُونِ ۝ (سورۃ انبیاء ۲۵) تو میری عبادت کرو۔

اور بھی تفصیل کے ساتھ ایک ایک نبی کا نام لیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس کی دعوت کی ابتداء اسی توحید کی دعوت سے ہوئی تھی، اور پہلی بات جو انھوں نے کہی وہ یہی تھی "قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ خَلِقَ" (اے میری قوم کے لوگو! خدا کی عبادت کرو اس کے

سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ الاعراف ۵۹)

یہی بت پرستی اور شرک (یعنی خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا اور ان کے سامنے انتہائی ذلت و مسکنت کا اظہار ان کے سامنے سجدہ ریزی) ان سے دعا و مدد کی طلب اور ان کے لئے نذر و نیاز (عالمگیر طویل عمر اور سخت جان ثباتیت) ہے، جو کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، اور یہی نوع انسانی کا قدیم ترین و مہلک ترین مرض ہے، جو تاریخ انسانی کے تمام ادوار تمدن معاشرت، معیشت و سیاست کے تمام تغیرات اور انقلابات کے باوجود بھی نوع انسانی کے پیچھے لگا رہتا ہے، الشکر کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے، بندوں کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کار و ڈرا بنتا ہے، اور ان کو انسانیت کے بلند درجہ سے گرا کر پستی کے عمیق و مہیب غاروں میں اونٹ منہ ڈال دیتا ہے، اور اسی کی تردید قیامت تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَّاقِيَةً فِي عَقِبِهِ ۚ
اور یہی بات اپنی اولاد میں چھپوڑ گئے

۱۔ سورۃ اعراف میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ضعیب کا نام لے کر ان کی اس دعوت توحید (انھیں الفاظ کے ساتھ جواب دے رہے ہیں) تذکرہ کیا گیا ہے (سورۃ اعراف از رکوع ۸ تا رکوع ۱۲)

نیز سورۃ ہود رکوع ۳ تا رکوع ۸

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (سورہ بقرہ - ۲۸) تاکہ وہ (خدا کی طرف) رجوع کریں۔

اور یہی تمام مصلحین مجاہدین اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کا عالمی و دائمی

شعار ہے۔

شُرک جلی کی اہمیت کم کرنا اور اس سے صرف نظر کرنا جائز نہیں

یہ ہرگز جائز نہیں کہ نئے اصلاحی و دعوتی تقاضوں اور زمانہ کی نئی ضرورتوں کے اثر سے شرک جلی کی اہمیت کو کم کر دیا جائے اور دعوت و تبلیغ کے بنیادی اصولوں میں اس کو ضمنی حیثیت دی جائے یا "سیاسی اطاعت" اور انسانوں کے وضع کئے ہوئے کسی نظام و قانون کے قبول کرنے کو اور غیر اللہ کی عبادت کو ایک درجہ میں رکھا جائے، اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جائے، یا یہ سمجھ لیا جائے کہ شرک، جاہلیت قدیم کی (جب انسانی ذہن اور علم و تمدن دور طفولیت میں تھے) بیماری اور خرابی، اور جہالت کی ایک بھڑی اور بھونڈی شکل تھی، جو انسان غیر ترقی یافتہ اور غیر متہذبن دور ہی میں اختیار کر سکتا ہے، اب اس کا دور گزر گیا، انسان بہت ترقی کر چکا ہے، اب اس کا ذہنی انحراف نئی نئی ترقی یافتہ شکلوں ہی میں ظاہر ہوتا ہے، یہ دعویٰ اور طرز فکر مشاہدہ اور تجربہ اور واقعات کے بھی خلاف ہے، شرک جلی بلکہ کھلی ہوئی بت پرستی آج بھی علانیہ طور پر موجود ہے، اور قوموں کی قومیں پورے پورے ملک حتیٰ کہ بہت سے مسلمان شرک جلی میں مبتلا ہیں، اور قرآن کا یہ اعلان آج بھی صادق ہے کہ "وَمَا يُدْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِإِلَهِهِ الْآوْهَمُ مَشْرِكُوهُ" (سورہ یوسف - ۱۰۶) (اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے اور اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہرائے جاتے ہیں)۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ انبیاء کرامؑ کی دعوت ان کی جدوجہد اور ان کی مقدس
کوششوں کی ایک طرح کی تحقیر و ناقدری اور قرآن (جو آخری اور ابدی کتاب ہدایت
ہے) کی ابدیت میں شک و شبہ کے مترادف ہے اور اس ایمان و اعتقاد میں بے یقینی
کے ہم معنی کہ انبیاءؑ کے کرام کا طریق کار ہی بہترین طریق کار ہے جس کو اللہ نے پسند فرمایا
ہے اور اس کے ساتھ خدا کی تائید و توفیق کامیابی و کامرانی، قبولیت و رحمت کا
یہ فیصلہ اور معاملہ ہے، جو کسی بھی دوسرے اصلاحی طریق کے لئے نہیں۔

بدعت اس کی ہضرتیں و رکامل و مکمل و لازوال شریعت کے ساتھ اس کا تضاد

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول نے دین میں شامل نہیں کیا، اور اس کا حکم نہیں دیا
دین میں شامل کر لیا، اس کا ایک جزو بنادینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا
اور اس کے خود ساختہ شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک حکم شرعی کی
پابندی کی جاتی ہے بدعت ہے بدعت و حقیقت دین الہی کے اندر شریعت انسانی
کی تشکیل اور ریاست اندرون ریاست ہے اس شریعت کی الگ فقہ ہے اور
مستقل فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات جو بعض اوقات شریعت الہی کے
متوازی، اور بعض اوقات تعدا و اور اہمیت میں اس سے بڑھ جاتے ہیں بدعت
اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی جس کا تعین ہونا تھا، اس کا
تعین ہو گیا، اب جس کو فرض و واجب بنانا تھا، وہ فرض و واجب بن چکا، دین کی
ٹکسال بند کردی گئی، اب جو نیا سکھ اس کی طرف منسوب کیا جائیگا، وہ جعلی ہوگا، امام
مالکؒ نے خوب فرمایا:-

من ابتدع في الاسلام بدعة
جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا

میرا احسنہ، فقد نعم ان محمداً
کر دی اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے

صلى الله عليه وآله وسلم فان
وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ محمد

الرسالة، فان الله سبحانه يقول:
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نورِ بات)

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ، فَمَا لَكُمْ
پیغام پہنچانے میں خیانت کی اس لئے

يومئذ ديناً، فلا يكون اليوم
کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے

ديناً
تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا

پس جو بات محمد رسالت میں دین نہیں

تھی، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

شریعت منزل من اللہ کی خصوصیت اس کی سہولت اور اس کا ہر ایک کے

لئے ہر زمانہ میں قابل عمل ہونا ہے اس لئے کہ جو دین کا شائع ہے وہ انسان کا خالق

بھی ہے وہ انسان کی ضروریات اس کی فطرت اور اس کی طاقت و کمزوری سے

واقف ہے۔

الْأَيْحْلَمُ مَنْ خَلَقَهُ وَهُوَ اللَّطِيفُ
(اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے

الْخَبِيرُ
پیدا کیا، اور وہ باریک بین (اور)

(سورۃ الملك - ۱۴) پورا باخبر ہے۔

اس لئے تشریع الہی اور شریعت سماوی میں ان سب چیزوں کی رعایت ہے مگر

جب انسان خود شائع بن جائیگا تو اس کا لحاظ نہیں رکھ سکتا، بدعات کی آمیزشوں

اور وقتاً فوقتاً اضافوں کے بعد دین اس قدر دشوار پیچ دار اور طویل ہو جاتا ہے کہ لوگ مجبور ہو کر ایسے مذہب کا قلابہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں اور مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (خدا نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی) کی نعمت سلب کر لی جاتی ہے اس کا نمونہ عبادات و رسوم اور فرائض و واجبات کی اس طویل فہرست میں دیکھا جاسکتا ہے جس میں بدعت کو آزادی کے ساتھ اپنا عمل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

دین و شریعت کی ایک خصوصیت ان کی عالمگیر یکسانی ہے وہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ایک ہی رہتے ہیں دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو دین و شریعت پر عمل کرنے میں نہ کوئی دقت پیش آئیگی نہ کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبر کی ضرورت ہوگی اس کے برخلاف بدعات میں یکسانی اور وحدت نہیں پائی جاتی وہ ہر جگہ کے مقامی سانچے اور ملکی یا شہری نکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں وہ تاریخی یا مقامی اسباب اور شخصی و انفرادی مصالح و اغراض کا نتیجہ ہوتی ہیں اس لئے ہر ملک بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بعض اوقات ایک ایک صوبہ اور ایک ایک شہر اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے۔

انہیں ابدی اور عالمی مصالح کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو بدعت سے بچنے اور سنت کی حفاظت کی تاکید فرمائی آپ نے فرمایا:-

من أحدث في أمرنا هذا ما ليس

بوجہائے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے

جو اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مرد ہے۔

منہ فہور۔

لے متفق علیہ۔

إِنَّمَا كَرِهَ الْبِدْعَةَ، فَإِنْ كَلَّ بِدْعَةً
بِدْعَتٍ سَمِعَ بِهَيْشَةِ بَوَّاسٍ لَمْ يَكُنْ بِدْعَتٍ

گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔

اور یہ حکیمانہ پیش گوئی بھی فرمائی ہے۔

مَا أَهْدَتْ قَوْمٌ بِدْعَةَ الْإِرْفَعِ بِهَا
مَثَلًا مِنَ السَّنَةِ

جب کچھ لوگ دین میں کوئی نئی بات
پیدا کرتے ہیں تو اس کے بقدر کوئی

سنت ضرور اٹھ جاتی ہے۔

وَأَتَيْنَ نَبِيَّ كَرِيمٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ جَالِسِينَ لِعِثِّ بَدْعَتَيْنِ أَوْ زَيْتِ رَسْمٍ وَوَجَّحَ كَيْفَ خَلَّاهُمَا

صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد ائمہ و فقہائے اسلام اور اپنے اپنے وقت کے مجددین و مصلحین
اور علمائے ربانی نے ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی اور اسلام کے معاشرہ
اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول و رواج پذیر ہونے سے روکنے کی جان توڑ کوشش کی
ان بدعات میں عوام اور خوش عقیدہ لوگوں کے لئے جو مقناطیسی کشش ہر زمانہ میں رہی ہے
اور ان سے پیشہ و راویا دار مذہبی گروہوں اور افراد کے جو ذاتی مفادات وابستہ رہے ہیں
جن کی تصویر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس معجزانہ آیت میں کھینچی ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ

الْأَخْبَارِ وَالرَّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ

سَبِيلِ اللَّهِ (سورة التوبة - ۳۴)

اے ایمان والو! اکثر اجار و رہبان

لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے

کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے باز

رکھتے ہیں۔

اے مشکوٰۃ الصابیح بروایت ابو داؤد و احمد۔

عہ مندا امام احمد۔

اس کی بناء پر ان کو سخت مخالفتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انھوں نے اس کی پرواہ نہیں کی، اور اس کو اپنے وقت کا جہاد اور شریعت کی حفاظت کا، اور دین کو تحریف سے بچانے کا مقدس کام سمجھا، ان مخالفین بدعت اور حاکمین لواء سنت کو اپنے زمانہ کے عوام یا خواص کا لعوام سے "جامد" "روایت پرست" "مذہب دشمن" وغیرہ کے خطابات ملے لیکن انھوں نے کوئی پروا نہیں کی، ان کے اس لسانی اور قلبی جہاد، احتیاق حق اور ابطال باطل سے بہت سی بدعات کا اس طرح خاتمہ ہوا کہ ان کا معاشرہ و تمدن کی بعض تاریخیوں میں ذکر رہ گیا ہے اور جو باقی ہیں، ان کے خلاف علمائے حقانی اب بھی صفت آ رہے ہیں۔

وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا

ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ

مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ

انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد

فَقَضَىٰ نَجْبَةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ

کیا تھا اس میں سچے نکلے پھر بعض تو ان میں

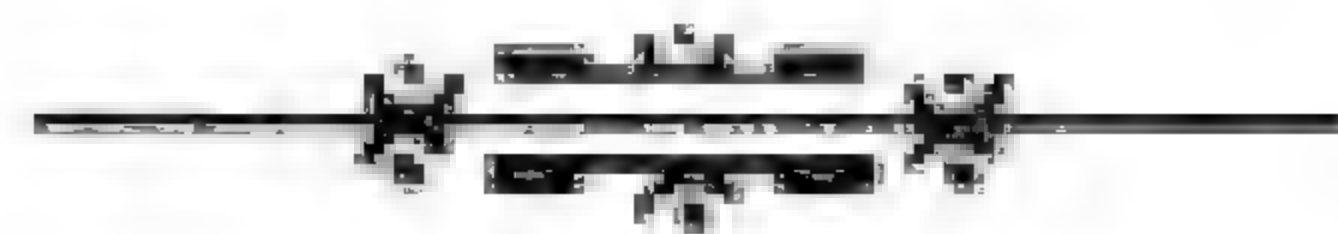
وَمَا بَدَّلُوا بَدِيلًا ۝

وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض

(سورۃ الاحزاب - ۲۳)

ان میں شاق ہیں اور انھوں نے ذرا تغیر

و تبدیل نہیں کیا۔



لے اور کہیں کہیں "وہابی" کا خطاب ملا۔

عبادت

اسلام میں عبادات کا مقام

عقائد کے بعد اسلام میں جس چیز کی بڑی اہمیت اور عام نبوتوں اور رسالتوں کا (جن میں سرفہرست نبوت محمدی — علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام — ہے) جس پر بڑا زور اور جس کی تاکید کی ہے، وہ عبادات ہیں جو انسانوں کی پیدائش کا اولین مقصد اور غرض و غایت ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (سورۃ الذاریات ۵۶) اور ہم نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ عبادت کریں۔

اے اسلام میں دین کا مفہوم دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں بہت وسیع ہے، ہر وہ مطلوب عمل جو رضائے الہی کے لئے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کیا جائے، دین کہلاتا ہے، خواہ اس عمل کا تعلق دنیوی امور بشری حاجتوں یا معاشی ضرورتوں ہی سے کیوں نہ ہو، لیکن خاص شریعت عبادات اور ارکان و فرائض دین جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا ایک بلند مقام اور ان کی بڑی اہمیت ہے، ان کے مقام و اہمیت کو کم کرنا، اور ان اعمال اور دوسرے ان تمام اعمال کو جن کے ذریعہ انسان اجر و ثواب کا طالب ہوتا ہے، برابر قرار دینا دین میں تحریف و انحاد کا دروازہ کھولنا ہے۔

تمام آسمانی شریعتوں نے ان کو مشروع قرار دیا ہے اور تمام آسمانی مذاہب نے اپنے اپنے دور میں ان کی دعوت دی ہے اور شریعت اسلامی نے سب سے زیادہ کامل و مکمل شکل میں ان کو پیش کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا ایسا اہتمام اور ان سے ایسا عشق و شغف تھا جو احاطہ بیان سے باہر ہے بیسیوں آیتیں اور سیکڑوں احادیث ان کے بارے میں ترغیب و تحریض اور ان کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں ان میں مسابقت و تناسل اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے ان کی کثرت کرنے والوں اور ان کا اہتمام رکھنے والوں کا مقام مدح میں ذکر کیا گیا ہے اور ان سے غفلت برتنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

قرآن کریم جہاد و حکومت کو وسیلہ اور اقامۃ صلوٰۃ کو مقصد و نتیجہ بتاتا ہے قرآن کا ارشاد ہے:-

الَّذِينَ إِذَا تَمَكَّنْتُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا	یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دتریں
الصَّلَاةَ وَالْأَنَاءَ الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا	دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَهُوَ اللَّهُ	اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے
حَاقِبَةُ الْأُمُورِ	کاموں سے منہ کریں اور سب کاموں میں

(سورۃ الحج - ۴۱) انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

قرآن پر ایک نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق مع اللہ عبودیت و بندگی اور عبادات معینہ (ارکان اربعہ: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج) بندہ سے اس طرح مطلوب و مقصود ہیں کہ

۱۔ ملاحظہ فرمائیے کتب حدیث البواب عبادات اور آیات سورۃ سجدہ - ۱۶ - سورۃ فرقان - ۶۳

سورۃ آل عمران - ۱۴ - سورۃ احزاب - ۳۵ - ۴۲ - سورۃ کہف - ۲۸ - سورۃ النعام - ۵۲ -

انہیں کے متعلق قیامت میں سب سے پہلے سوال ہوگا، اور ان کا ترک اور ان سے تغافل موجب وبال و نکال ہے، ایک جگہ ان لوگوں سے سوال و جواب کے موقع پر جہنم کے عذاب کے مستحق ہوئے ارشاد ہے:-

مَا سَأَلَكُمْ فِي سَقَرِهِ قَالُوا الْمَرْئِيَّةُ	کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے، وہ جواب
مِنَ الْمُصَلِّينَ ۚ وَلَمْ يَكُنْ تُطَاعِمُهُ	دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے،
الْمُسْكِينِ ۚ وَكُنَّا تَخَوِّصُ مَعَ	اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے،
الْمَنَافِئِينَ ۚ وَكُنَّا تُكَذِّبُ بَعِثُ	اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے)
الدِّينِ ۚ حَتَّىٰ آتَيْنَا الْيَقِيْنَ ۚ	انکار کرتے تھے، اور روز جزا کو جھٹلاتے
(سورۃ المدثر - ۴۲-۴۷)	تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔

دوسری جگہ کفار کے تذکرہ میں ارشاد ہے:-

فَلَا صَدَقَ وَلَا وُفِيَ ۚ وَلَكِنْ كَذَّبَ	تو اس (ناعاقبت اندیش) نے نہ تو
وَوَعْدُ ۚ ثُمَّ رَدَّهَا إِلَىٰ أَهْلِهَا يَتَمَلَّوْا	(کلام خدا کی) تصدیق کی، نہ نماز پڑھی
(سورۃ القیامت - ۳۷-۳۸)	بلکہ جھٹلایا اور نہ پھیر لیا، پھر اپنے گھر والوں

کے پاس اکڑتا ہوا چل دیا۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادات و ارکان دین، دین کے پورے نظام میں بنیادی و مرکزی حیثیت رکھتے ہیں جن پر مؤاخذہ و محاسبہ ہوگا، باقی چیزیں (حکومت الہیہ کا قیام، اور انسانی تمدن کو خیر و فلاح کی بنیادوں پر تعمیر کرنا) وسائل کی حیثیت رکھتی ہیں، اور دین میں ان کا درجہ دوسرا ہے۔

ان عبادات میں اولین اور اہم رکن نماز ہے، یہ دین کا ستون ہے اور مسلمانوں کو

کافروں کے درمیان وجہ امتیاز ہے، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُرْكَبِينَ ۝ (سورۃ الروم - ۳۱)

مشرکین ۝ (سورۃ الروم - ۳۱) نہ ہونا۔

امام بخاریؒ اپنی جامع صحیح میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:-

بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ بندہ اور کفر کے درمیان ترک نماز ہے

اور ترمذی شریفؒ کی ایک روایت میں ہے:-

بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ تَرْكُ الصَّلَاةِ کفر اور ایمان کے درمیان (حدیث) ترک نماز ہی ہے

نماز نجات کی شرط اور ایمان کی محافظ ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و نفوی کی بنیادی شرط کے طور پر بیان کیا ہے، نماز ہر آزاد اور غلام، امیر اور غریب، بیمار اور تندرست، مسافر اور مقیم پر ہمیشہ کے لئے اور ہر حال میں فرض ہے، کسی بالغ انسان کو کسی حال میں اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا، بخلاف روزہ اور حج اور زکوٰۃ کے جو مختلف شرائط و صفات کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان کے متعین اور محدود اوقات ہیں، نماز میدان جنگ میں بھی فرض ہے اور صلوٰۃ خوف کے نام سے موسوم ہے، یہ ایک ایسا فریضہ ہے، جو کسی نبی اور رسول سے بھی ساقط نہیں ہوتا، چہ جائیکہ کسی ولی اور عارف و مجاہد سے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہئے

(سورۃ الحجر - ۹۹) یہاں تک کہ آپ کو امر یقینی پیش آجائے۔

۱۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۳۰ اور سورۃ الاعلیٰ کی آیت ۱۴-۱۵ ملاحظہ فرمائیے۔ ۲۔ تمام مفسرین اور علماء کا اجماع

ہے کہ یہاں یقین سے مراد موت ہے، عاقل بالغ سے فرائض کا ساقط نہ ہونا جیسا کہ عقائد کے ذیل میں ہم ذکر کر چکے ہیں، علم عقائد کا معروف مسئلہ ہے۔

نماز مومن کے حق میں ایسی ہے، جیسے پھلی کے لئے پانی، نماز مومن کی جائے پناہ اور جائے امن ہے اور اگر نماز واقعی و حقیقی نماز ہو تو وہ غیر الشکر کی عبادت، غیر الشکر کی غلامی، جاہلی زندگی اور اخلاقِ رذیلہ سے کوئی جوڑ نہیں کھاتی اور دونوں میں کھلا ہوا تضاد ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ (سورۃ العنکبوت - ۲۵) کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی، اور بری

بانتوں سے روکتی ہے۔

”نماز“ کوئی ایسا آہنی سانچہ یا چوب خشک کی طرح کوئی جامد اور محدود چیز نہیں ہے جس میں سب نمازی یکساں ہوں اور ہر نمازی ایک سطح پر رہنے کے لئے مجبور اور اس سے آگے بڑھنے سے قاصر ہو، وہ دراصل ایک بہت بڑا اور وسیع و عریض میدان ہے جہاں نمازی ایک حال سے دوسرے حال تک اور عروج سے کمال اور کمال سے ان منزلوں تک پہنچتا ہے جو اس کے تصور و خیال سے بھی ماوراء ہیں، نماز کو وصول الی اللہ تعلق مع اللہ اور تقرب و ولایت کے حصول میں جو کمال درجہ کی تاثیر اور غایت درجہ کی اہمیت حاصل ہے وہ پورے نظام شریعت میں کسی اور چیز کو نہیں اس کے ذریعہ اس امت کے محققین و مجاہدین ہر نسل اور ہر دور میں ایمان و یقین، علم و معرفت، روحانیت و ولایت اور قرب و ولایت کے ان درجات تک پہنچ گئے، جہاں اہل ذہانت کی دقیقہ رسی اور حکماء و عقلاء کا تصور و خیال بھی نہیں پہنچ سکتا، اور ہر دور میں یہی حال رہا ہے نماز نبوت کی میراث ہے جو اپنے تمام اشکال و آداب اور احکام و تفصیلات کے ساتھ بحفاظت ایک نسل سے دوسری نسل، اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتی رہی۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”ارکان اربعہ“ نماز

ناز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب و پسندیدہ عبادت تھی اس سے آپ کو سکون و تسلی حاصل ہوتی تھی، آپ فرماتے تھے:-

وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ ۝ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

اور اپنے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے:-

يا بلال! أقم الصلاة أريحنا بها ۝ بلال! نماز کھڑی کرو، اور ہمیں اس سے

آرام پہنچاؤ۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کو جب کوئی پریشانی کی بات پیش آتی، فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز احسان کا مکمل اور اعلیٰ نمونہ تھی آپ کے احسان کے معنی دریافت کئے گئے، تو آپ نے فرمایا:-

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ

تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ ۝ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اس کو دیکھ

نہیں رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اور یہی وہ نماز ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے، کیونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم) کی اقتداء و اتباع کا ہر مسلمان کو حکم ہے، آپ نے فرمایا:-

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوهُنِ أَصْلَى ۝ اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھ کو

لہ نائی شریف ۲۱۱ ابوداؤد شریف، کتاب الادب، باب فی صلاة العتمة۔

۲۱۲ ابوداؤد شریف، متن حدیث یہ ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

إذا حزبه أمر فليصلي ۲۱۳ متفق علیہ ۲۱۴ بخاری شریف۔

ناز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

اس لئے ہم قارئین کے سامنے اس نماز کی کیفیات اور تفصیلات پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

ناز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ

طہارت اور وضو کے فوائد کی تکمیل اور نماز کی تیاری کے لئے جو خدا تعالیٰ سے بندے کی سرگوشی و مناجات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواک کو مسنون فرمایا، اور اس کی بڑی ترغیب دی ہے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:-

لَعَلَّ أَنْ أُشَقَّ عَلَى أُمَّتِي لَكُمْ رَهْمٌ اگر مجھے امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا

بِالسَّوَالِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ تو لوگوں کو ہر نماز کے وقت سواک کا حکم دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریر اللہ اکبر کہتے، اور اس سے پہلے کچھ نہ کہتے، اور اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ساتھ دونوں ہاتھ اس طرح کہ ان کا رخ قبلہ کی طرف ہوا، اور انگلیاں کشادہ ہوں، اٹھاتے، پھر دایں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پٹیلی کی پشت پر رکھتے، فرض نمازوں میں یہ دعائے استفتاح پڑھتے:-

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَبِآرَاكَ اے اللہ ہم تیری پاکی اور حمد بیان کرتے

اسْمُكَ فَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ ہیں تیرا نام مبارک اور تیری عظمت

اے اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم کی "زاد المعاد" کو بنیاد بنا لیا گیا ہے، تفصیلات کو چھوڑ کر جو فقہائے کرام

کے اختلافات پر متل ہیں، اور جن میں احادیث کی بنیاد پر اختلاف و ترجیح، اور استنباط و استدلال اہل علم سے

مخفی نہیں اور یہ کتاب ان تفصیلات کی متحمل نہیں ہے۔ مے متفق علیہ۔

غَيْرُهُ.

بہت بلند ہے اور تیرے علاوہ کوئی

معبود نہیں۔

نوافل اور تہجد میں مختلف دعائیں آئی ہیں، مثلاً:-

اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ

اے اللہ مجھ میں اور میری خطاؤں میں

كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

ایسی دوری کر دے جیسی مشرق و مغرب

اللَّهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِطَلَاءِ

میں تو نے دوری کی ہے اے اللہ مجھے

قَالِشَ وَالْبَرْقِ، اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ

میرے گناہوں سے پانی، برق اور رولوں

الدُّخَانِ وَالْخَطَايَا كَمَا يَتَّقَى الثَّوْبُ

سے دھو دے اے اللہ مجھے گناہوں و

الْأُبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ.

خطاؤں سے ایسا صاف کر دے جیسے

میل کھل سے سفید کپڑا صاف کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد آپ: اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

پڑھتے، پھر سورہ فاتحہ پڑھتے، آپ کی قرات صاف اور ایک ایک لفظ الگ کر کے ہوتی، ہر آیت

پر پھرتے اور اختتام آیت کو کھینچ کر پڑھتے، جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو آمین کہتے

آپ کے دو سکتے ہوتے تھے ایک تو تکبیر اور سورہ فاتحہ کے درمیان اور دوسرا سورہ فاتحہ

کے بعد یا رکوع سے پہلے سورہ فاتحہ سے فارغ ہو کر کوئی دوسری سورہ پڑھتے، کبھی طویل

سورہ ہوتی، اور کبھی سغیر وغیرہ کی وجہ سے مختصر سورہ پڑھتے، اکثر اوقات درمیانی سورتیں

پڑھتے، جو نہ بہت طویل ہوتیں نہ بہت مختصر فجر کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک

لے آمین کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کی بنیاد پر اس کو زور سے یا دھیرے سے کہنے کے بارے میں

علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل کتب احادیث کی شرح، اور کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

معمول تھا، طووال مفصل کی مختلف سورتیں اس میں تلاوت فرماتے، سفر کی حالت میں فجر میں سورہ "اِذَا زُلْزِلَتْ" اور معوذتین "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" کا پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے، جمعہ کے دن نماز فجر میں "حَمْدُ السَّجْدَةِ" اور سورہ دھر پوری پڑھتے، اور بڑے جمعوں میں جیسے کہ عید اور جمعہ میں سورہ "ق" اور "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" اور "يَسْتَجِ اسْمَرْيَاكُ" اور "هَلْ اَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ" پڑھنے کا معمول تھا۔ ظہر میں کبھی کبھی قراءت طویل فرماتے، عصر کی نماز کی قراءت طویل ظہر کی نماز کی قراءت کی آدھی مقدار کی ہوتی، اور اگر ظہر مختصر ہوتی، تو عصر بھی اسی کے برابر ہوتی، مغرب کی نماز میں قراءت طویل بھی فرمائی، اور مختصر بھی، زیادہ تر اس میں قصار مفصل پڑھتے تھے، عشاء کی نماز میں درمیانی سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور اسی کو پسند فرماتے تھے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عشاء میں جب سورہ بقرہ پڑھی تو آپ نے نکیر فرمائی، اور فرمایا کہ اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دے گے؟

جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پوری پڑھتے، یا سورہ "يَسْتَجِ اسْمَرْيَاكُ" اور سورہ "هَلْ اَتَاكَ" پڑھتے، جمعہ وعیدین کے ماسوا کسی نماز کے لئے آپ کوئی سورہ متعین نہیں فرماتے تھے کہ جس کے علاوہ کوئی اور سورہ نہ پڑھیں، فجر کی نماز میں پہلی رکعت دوسری رکعت کے مقابلہ میں طویل فرماتے، اور ہر نماز میں پہلی رکعت کچھ طویل ہوتی، فجر کی نماز میں دوسری تمام نمازوں سے زیادہ طویل آپ کی قراءت ہوتی، اس لئے کہ قرآن شریف میں آتا ہے "اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا" (الاسراء۔ ۷۸) (صبح کے وقت قرآن کا

لے طووال مفصل۔ سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کی سورتیں۔ ۲۷ "لَمْ يَكُنْ" سے سورہ "وَالنَّاسِ" تک کی سورتیں۔

پڑھنا۔ موجب حضور ملائکہ ہے۔)

جب آپ رکوع فرماتے تو اپنے گھٹنوں پر پتھیلیاں اس طرح رکھتے جیسے کہ گھٹنوں کو پکڑے ہوئے ہوں اور ہاتھ تان لیتے اور پہلوؤں سے جدا رکھتے، پیٹھ پھیلانے اور بالکل سیدھی رکھتے اور کہتے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" عَادۃً آپ کی تسبیحات کی تعداد دس ہوتی تھی، اسی طرح سجدہ میں بھی دس مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" کہتے، آپ کا عمومی معمول نماز میں اطمینان اور تناسب کا خیال رکھنے کا تھا، رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے فرماتے "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" رکوع سے اٹھ کر قومہ میں آپ کا دائمی عمل یہ تھا کہ مکر بالکل سیدھی کر لیتے، یہ عمل دونوں سجدوں کے درمیان بھی تھا، جب قومہ میں پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو کہتے "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کبھی اس پر اضافہ بھی فرماتے، پھر تکبیر الشراکبر کہتے ہوئے سجدے میں جاتے اور ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے اور جب اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور سجدہ پیشانی اور ناک دونوں پر کرتے اور پیشانی اور ناک کو اچھی طرح زمین پر رکھتے، اور پہلوؤں سے ہاتھوں کو جدا رکھتے اور ان کو اس طرح کشادہ کر لیتے کہ بغل کی سفیدی نظر آتی، اور ہاتھ کاندھوں اور کانوں کے سامنے رکھتے سجدہ پورے اطمینان کے ساتھ کرتے اور پیر کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتے، اور کہتے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" کبھی اس پر اضافہ بھی فرماتے، اور نفل نمازوں میں بحالت سجدہ بکثرت دعا کرتے، پھر الشراکبر کہتے ہوئے سر اٹھاتے اور ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھ لیتے، پھر کہتے "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَاجْعَلْ لِي وَارِدًا، وَارْزُقْنِي" (اے اللہ

اے رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانے (رفع یدین) کے بارے میں ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں ملے گی۔

میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، میری دل بستگی فرما، مجھے ہدایت نصیب فرما، اور مجھے رزق عطا فرما) پھر پیروں کے پنجوں، گھٹنوں اور رانوں پر ٹیک لیتے ہوئے اٹھ جاتے، جب کھڑے ہوتے تو بغیر سکتہ کے قراءت شروع فرما دیتے، اور پہلی رکعت جیسی دوسری رکعت بھی پڑھتے، پھر جب تشهد کے لئے بیٹھتے، تو بایاں ہاتھ بائیں ران، اور دائیں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے، اور دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی سے اشارہ فرماتے، اور بیٹھنے کی حالت میں تشهد پڑھتے، اور صحابہ کرامؓ کو اسی طرح تشهد پڑھنے کی تعلیم دیتے :-

اَلْحَيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ
وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَهَلٰى جِبَادُ
اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُوْلُهُ۔

ادب و تعظیم اور اظہارِ نیاز کے سارے
کلمے الشہادی کے لئے ہیں، اور تمام عبادات
اور تمام صدقات الشہادی کے واسطے ہیں
(اور میں ان سب کا نذرانہ الشہر کے
حضور میں پیش کرتا ہوں) تم پر سلام ہو
اے نبی اور الشہر کی رحمت اور اس کی
برکتیں، سلام ہو ہم پر اور الشہر کے سب
نیک بندوں پر، میں شہادت دیتا ہوں
کہ الشہر کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے
لائی نہیں، (صرف وہی محبوب و برحق ہے)
اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے
اور پیغمبر ہیں۔

اس تشہد میں تخفیف سے کام لیتے کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ آپ پہلے تشہد میں درود شریف پڑھتے ہوں، یا عذاب قبر، عذاب جہنم، موت و حیات کے فتنہ اور دجال سج کے فتنہ سے پناہ اور حفاظت کی دعا مانگتے ہوں۔

پھر پنجوں کے بل گھٹنوں اور رانوں پر ٹیک لیتے ہوئے کھڑے ہو جاتے جیسے پہلی رکعت کے بعد کھڑے ہوئے تھے اور بقیہ رکعتیں سابق الذکر طریقہ پر پڑھتے، پھر جب آخری رکعت ہوتی جس میں سلام پھیرنا ہے تو تشہد کے لئے بیٹھتے اور پہلے وہی گزشتہ تشہد پڑھتے۔
تشہد کے بعد درود شریف پڑھتے پھر دعا کرتے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ	اے اللہ میں عذاب قبر سے آپ کی پناہ
الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ	چاہتا ہوں اور دجال کے فتنہ سے
الدَّجَالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ	آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور زندگی اور موت کے
الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، اللَّهُمَّ إِنِّي	فتنہ سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور گناہوں
أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثِمِ وَالْمَغْرِمِ	اور قرص کے بوجھ سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

۱۰ فقہاء و محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ تشہد کے لئے آپ کس ہیئت سے بیٹھتے تھے، آیا داہنا پیر نکال کر اور کھڑا کر کے بائیں پیر پر بیٹھتے تھے یا دونوں پیر نکال کر کولہے پر بیٹھتے تھے، تفصیل کے لئے کتب فقہ و شروح حدیث دیکھئے۔
۱۱ حاکم نے قوی سند سے متدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: آدمی تشہد پڑھے پھر درود شریف پڑھے، پھر اپنے لئے دعا کرے (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الصلاة على النبي - صلى الله عليه وآله وسلم) اور صحیحین میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: پھر تم بھی جس کو جو دعا پسند ہو وہ دعا کرے۔

۱۲ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو یہ دعا سکھاتے تھے، حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ نے یہ دعا بھی تعلیم فرمائی تھی :-

اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا
كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ
فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ
وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ
الرَّحِيمُ

اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم
ڈھایا، اور گناہ صرف آپ ہی معاف
فرمانے والے ہیں، تو.... مجھے اپنی خاص
مغفرت نصیب فرمائیے اور رحم فرمائیے،
آپ بہت ہی مغفرت فرمانے والے اور

بڑے مہربان ہیں۔

ان کے علاوہ بھی دعائیں ثابت ہیں، پھر دائیں طرف سلام پھیرتے اور کہتے السلام علیکم
ورحمۃ اللہ اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے، پھر دائیں یا بائیں جانب رخ کر کے بیٹھ
جاتے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے اختتام کا اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز سے پتہ چلا لیتا تھا،
اور سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ استغفار پڑھتے اور کہتے :-

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ
تَبَارَكَ كُنْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

اے اللہ تو ہی سلامتی ہے، اور تجھ ہی سے سلامتی
ہے، تو بابرکت ہے، عزت و بزرگی والے۔

(باقی ص ۱۰۲ کا) نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی
چار چیزوں سے... پناہ مانگے، جہنم کے عذاب سے، اور عذاب قبر سے اور موت و حیات کے فتنے سے اور
سجہ و جال کے شر سے (مسلم شریف) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن پاک کی کوئی سورہ :-

(مسلم شریف) اے بخاری شریف "باب الذکر بعد الصلوة"

اور اتنی ہی دیر قبلہ رخ رہتے جتنی دیر یہ کہہ لیں، پھر تیزی سے مقتدیوں کی طرف رخ فرمائیے، کبھی دائیں جانب سے رخ فرماتے، کبھی بائیں جانب، اور ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے:۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔	الشرك کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے، اس کا کوئی سا بھی نہیں، سب کچھ اسی کا، ساری تعریفیں اسی کی، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ جو آپ دیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جس کو روک دیں اس کو کوئی دینے والا نہیں، اور آپ کی طرف کسی نصیب والے کو اس کا نصیب فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔
---	---

اور کہتے:۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔	الشرك کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے، اور اسی کی سب تعریفیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، خدا کے علاوہ کسی کے پاس (قوت ہے) نہ طاقت۔
--	---

اور یہ بھی کہتے:۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا تَعْبُدُوا إِلَّا بِيَا،	الشرك کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف
---	--------------------------------------

لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی کا انعام
 الْحَسَنُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَلَا نَعْبُدُ واحسان ہے اور اسی کی اچھی تعریفیں
 إِلَّا آيَاهُ، مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ اور خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اہم صفت
 الْكَافِرُونَ۔ اسی کی عبادت کرتے ہیں دین کو اس کے

لئے خالص کر کے خواہ کافروں کو کیا

بڑا لگے۔

آپ نے امت کے لئے یہ مستحب قرار دیا ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد سُبْحَانَ اللَّهِ
 ۳۳ مرتبہ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۳۳ مرتبہ اور اللَّهُ أَكْبَرُ ۳۳ مرتبہ کہیں اور سُوحَا عَدَدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہہ کر پورا کریں
 اور ایک دوسری روایت میں اللَّهُ أَكْبَرُ کا ۳۲ مرتبہ کہنا بھی آیا ہے۔

سنن و نوافل میں ۱۲ رکعتوں کا حالت اقامت میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم اہتمام فرمایا کرتے تھے، ظہر سے پہلے چار رکعت اور دو رکعت ظہر کے بعد اور
 مغرب کے بعد دو رکعت اور عشا کے بعد دو رکعت اور دو رکعتیں فجر سے پہلے ان سنتوں کو
 اکثر اپنے گھر میں پڑھا کرتے تھے اور حالت اقامت میں کبھی ان کو ترک نہیں فرماتے تھے
 آپ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی کام کو شروع کرتے تو اس کو معمول بنا لیتے، ان سنتوں میں
 سب سے اہم سنت فجر کی سنت ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوافل و سنن میں کسی نماز کا اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے
 جتنا فجر کی اس دو گانہ سنت کا، آپ کا معمول تھا کہ نوافل و سنن گھر پر ادا فرماتے تھے،

لے صحاح ستہ۔

اور وتر کا سفر و حضر میں اہتمام فرماتے تھے، اسی طرح فجر کی سنتوں کا، وتر و نوافل و سنن میں سب سے موکد نماز ہے، فجر کی سنت ادا فرما کر آپ داہنی کروٹ آرام فرماتے، جماعت کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ جماعت کی نماز تنہا پڑھی جانے والی نماز پر ۲۷ درجہ فوقیت رکھتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ہم نے اپنے آپ کے اس حال میں دیکھا ہے کہ (جماعت سے) پیچھے رہنے والا وہی منافق ہوتا تھا، جس کا نفاق کھلا ہوا ہو (ورنہ جماعت میں) وہ آدمی بھی لایا جاتا تھا، جس کو دو شخص پکڑا کر لائیں اور صف میں کھڑا کر دیں!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر و حضر میں کبھی تہجد ترک نہیں فرماتے تھے، اور اگر کبھی غینہ غالب آجائے، یا تکلیف کی وجہ سے نہ پڑھ سکے تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے، رات میں آپ (وتر کے ساتھ) گیارہ رکعتیں یا تیرہ رکعتیں پڑھتے، تہجد اور وتر کا معمول مختلف رہا ہے، وتر میں قنوت بھی پڑھتے تھے، رات کو قراءت کبھی ستری فرماتے کبھی جہر، کبھی طویل رکعتیں پڑھتے کبھی مختصر اور زیادہ تر آخری رات میں وتر پڑھتے تھے، رات دن یا کسی وقت بھی بحالت سفر سواری پر خواہ کدھر ہی اس کا رخ ہو نفل نماز میں پڑھ لیتے تھے، اور رکوع و سجدہ اشارہ سے فرماتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کسی بڑی نعمت کے

لے متفق علیہ ۱۷ مسلم شریف جماعت کا یہ حکم مردوں کے لئے ہے، ورنہ جہاں تک مسلمان عورت کا تعلق ہے تو اس کی نماز اپنے گھر میں مسجد سے افضل ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز اپنی خواب گاہ میں پڑھنا اپنے کمرہ اور والان میں پڑھنے سے بہتر ہے! اپنی کوٹھری میں پڑھنا خواب گاہ میں پڑھنے سے بہتر ہے! (ابوداؤد)

ظہور یا بڑی مصیبت ٹل جانے کے موقع پر سجدہ شکر بجالاتے تھے اور قرآن میں اگر آیت سجدہ کی تلاوت فرماتے یا سنتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلے جاتے۔

جمعہ کی بڑی تعظیم و احترام فرماتے اور اس میں کچھ ایسی عبادتیں فرماتے جو اور دنوں میں نہ فرماتے، جمعہ کے غسل، اور عطر لگانے اور نماز کے لئے جلدی جانے کو آپ نے مسنون قرار دیا ہے اس دن سورہ کہف کی تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے، حسب استطاعت اچھے کپڑے پہنتے تھے، امام احمد بروایت حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ اپنی مسند میں نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جمعہ کے دن غسل کرے اور عطر۔ اگر اس کے پاس ہو۔ لگائے اور حسب استطاعت اچھے کپڑے پہنے پھر سکون و وقار کے ساتھ مسجد جائے، پھر اگر چاہے تو نوافل پڑھے، اور کسی کو تکلیف نہ دے اور پھر جب امام منبر پر آجائے اس وقت سے نماز کے اختتام تک خاموش رہے (اور توجہ سے خطبہ سنے) (اگر ایسا کرے گا) تو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کے لئے یہ کفارہ ہوگا جمعہ کے دن ایک قبولیت کی گھڑی ہے، صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر کوئی مسلمان بندہ اس کو اس حال میں پالے کہ وہ کھڑا ہو نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ سے سوال کر رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عنایت فرمائے گا، اس ساعت کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے راجح قول یہی ہے کہ وہ عصر کے بعد کی ایک ساعت ہے امام احمد اور جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مسلک ہے۔

جمعہ میں خطبہ مختصر دیتے اور نماز طویل پڑھتے تھے، اور ذکر کی کثرت کرتے تھے اور جامع و مانع الفاظ ارشاد فرماتے تھے، خطبہ میں صحابہ کرام کو اسلام کے اصول و قواعد

اور احکام کی تعلیم دیتے، اور ضرورت کے مطابق کسی چیز سے روکتے، کسی چیز کا حکم فرماتے تھے، ہاتھ میں تلوار وغیرہ نہیں لیتے تھے، ہاں منبر بننے سے پہلے کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے تھے، کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر تھوڑی دیر کے لئے بیٹھتے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دیتے تھے، فارغ ہوتے ہی حضرت بلالؓ اقامت شروع کر دیتے تھے۔

عید اور بقر عید کی نمازیں عید گاہ میں پڑھتے تھے، صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے اپنی مسجد میں عید کی نماز ادا فرمائی، عیدین کے دن خوبصورت پوشاک زیب تن فرماتے تھے، عید کے دن عید گاہ جانے سے پہلے طاق عدد کھجوریں نوش فرماتے تھے، اور بقر عید کے دن عید گاہ سے واپسی سے پہلے کچھ تناول نہیں فرماتے تھے، واپس آ کر ہی قربانی کا گوشت تناول فرماتے، عیدین کے لئے غسل فرماتے تھے، اور عید گاہ پہنچتے ہی اذان و اقامت کے بغیر نماز شروع فرما دیتے، عید گاہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کرام نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھتے اور نہ نماز عید کے بعد، خطبہ سے پہلے دو گانہ عید ادا کرتے اور تکبیرات میں اضافہ فرماتے، جب نماز مکمل فرما لیتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جاتے، اس حال میں کہ لوگ بیٹھے ہوتے اور پھر وعظ و نصیحت فرماتے، کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم دیتے، کسی امر سے روکنا ہوتا تو اس سے روکتے، کوئی وفد یا شکر بھیجنا ہوتا تو بھیجتے، یا جیسی ضرورت ہوتی ویسا کرتے، پھر خواتین کے پاس آ کر ان کو وعظ و نصیحت فرماتے، خواتین بکثرت صدقات و خیرات کرتیں، عید و بقر عید کے خطبوں میں کثرت سے تکبیر کے الفاظ دہراتے، عید کے دن ایک راستہ سے آتے اور دوسرے راستہ سے جاتے۔

لے زائد تکبیریں کتنی ہوں اس سلسلہ میں فقہاء کا کیا اختلاف ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے کتب فقہ و حدیث دیکھئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گہن (کسوٹ) کی نماز بھی پڑھی ہے اور اس موقع پر بڑا موثر خطبہ بھی دیا، یہ نماز صرف ایک مرتبہ حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے موقع پر آپ نے ادا فرمائی، اور غلط خیالات کی یہ اعلان فرما کر تردید فرمائی:۔

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتُ
سُورِجٍ اور چاند خدا تعالیٰ کی نشانیاں
اللَّهُ لَا يَخْفَانُ مَوْتَ أَحَدٍ
میں دو نشانیاں ہیں کسی کی موت
وَلَا حَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ
وحیات کی وجہ سے ان میں گہن نہیں
فَادْعُوا اللَّهَ كَثِيرًا، وَصَلُّوا
لگتا، جب تم ایسا دیکھو تو اللہ سے دعا کرو
وَتَصَدَّقُوا۔
اس کی عظمت بیان کرو نماز پڑھو

صدقہ خیرات کرو۔

نماز استسقاء بھی مختلف طریقوں سے آپ سے ثابت ہے، جنازہ کے سلسلہ میں آپ کا طریقہ و سنت تمام قوموں کے طریقوں سے الگ تھا، نماز جنازہ دو چیزوں کی جامع ہوتی، خدا کی عبادت اور بندگی کا کھلا ہوا اقرار اور میت کے لئے دعا و استغفار اور اس کے ساتھ بہترین و مفید ترین تعلق کا اظہار، آپ اور تمام مسلمان صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے، خدا کی حمد و ثناء بیان کرتے اور میت کے لئے دعا و استغفار کرتے، نماز جنازہ کا اصل مقصد ہی میت کے لئے دعا ہے، جب قبرستان تشریف لے جاتے تو مردوں کے لئے دعا و استغفار اور ان کے حق میں خدا کی رحمت کی درخواست کرتے، صحابہ کرامؓ کو قبروں کی زیارت کے وقت یہ کہنے کی وصیت فرماتے۔

۱۔ اس نماز کے احکام و تفصیلات کے لئے کتب فقہ دیکھی جائیں۔ ۲۔ بخاری شریف، باب الصدقة فی الکسوف

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "زاد المعاد" ج ۱ ۴۔ تفصیل کے لئے کتب حدیث و فقہ دیکھیے۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مَيِّتَ
 الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَأَنَا أُنْشِئُ اللَّهَ
 بِكُمْ لَأَحِقُّونَ نَأَى اللَّهُ لَنَا
 وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ۔
 تم پر سلامتی ہوا ہے قبرستان کے مومنوں
 اور مسلمانوں، ہم بھی انشاء اللہ تم سے
 ملنے والے ہیں، ہم خدا تعالیٰ سے اپنے
 اور تمہارے لئے عافیت کے طالب ہیں۔

صدقہ اور زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق کار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال کے ساتھ رویہ اور اپنے اہل بیت کے ساتھ
 آپ کا معاملہ اس نبوی نقطہ نظر کا پورا ترجمان تھا، جو مال، زندگی اور کائنات کے بارے میں
 آپ نے اختیار فرما رکھا تھا، یہ ایک ایسی حقیقت کا نقطہ نظر تھا جس کے سامنے خدا کی عظمت
 اور جلال ہر وقت عیاں تھا، اس کے اخلاق، اخلاق الہی کا نمونہ تھے، اور یوم آخرت پر
 ہر وقت اس کی نظر رہتی تھی، اور اس کی زبان یوں گویا تھی :-

اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الْآخِرَةِ۔
 اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔

وہ اللہ سے دعا کرتا تھا اور کہتا تھا :-

أَشْبِعْ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا۔
 (مجھے یہ اچھا لگتا ہے) کہ ایک دن پیٹ بھر کر

کھاؤں، ایک دن بھوکا رہوں۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قَوْلًا۔
 اے اللہ آل محمد کو گزارہ بھر کے لئے رزق

عطا فرما۔

اے زکوٰۃ کے احکام سے تفصیلی واقفیت کے لئے کتب فقہ و حدیث کے مطالعہ کے ساتھ ڈاکٹر یوسف القرضاوی
 کی "فقہ الزکاۃ" دیکھیے۔ ۱۔ بخاری شریف ۲۔ ترمذی شریف ۳۔ بخاری شریف۔

آپ اپنی ضرورت سے زائد اور اموال صدقات میں سے بچا ہوا مال تھوڑی دیر کے لئے بھی رکھنا پسند نہ فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض و وفات کے زمانہ میں میرے پاس چھ یا سات دینار تھے، آپ نے مجھے حکم دیا کہ اس کو تقسیم کر دوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف کی وجہ سے مجھے اس کا موقع نہ ملا، پھر آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے ان چھ سات دیناروں کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے کہا میں آپ کی تکلیف کی وجہ سے ایسی مشغول ہوئی کہ خیال نہ رہا، آپ نے اس کو منگوایا، اور اپنے ہاتھ پر کھا، اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کا کیا گمان ہوگا، اگر وہ خدا سے اس حال میں ملے کہ اس کے پاس یہ ہو^۱ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: ”جس کے پاس ایک سواری زائد ہو تو جس کے پاس ایک سواری بھی نہ ہو اس کو دے دے، جس کے پاس سامان.. زائد ہو تو اس کو دے دے جس کے پاس سامان نہ ہو۔“

علامہ ابن قیم نفلی صدقات کے بارے میں آپ کا طریقہ و معمول ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مال کو سب سے زیادہ صدقات و خیرات میں صرف فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ جو بھی آپ کو عطا فرماتا، آپ نہ اس کو بہت زیادہ سمجھتے نہ کم ہی سمجھتے، آپ سے اگر کوئی شخص سوال کرتا اور آپ کے پاس وہ چیز ہوتی، تو کم و بیش کا خیال کئے بغیر اس کو عنایت فرما دیتے، آپ اس طرح دیتے تھے، جیسے کمی و تنگی کا کوئی خوف نہ ہو، عطیات، صدقات، و خیرات آپ کا محبوب عمل تھا، آپ دے کر اتنا خوش و ہر

۱۔ بخاری، مسند ابن جنبل اور سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

۲۔ البداء و بدروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ماخوذ از ”ارکان اربعہ“

ہوتے جتنا لینے والا لے کر نہ ہوتا تھا، آپ جو دو بخا میں فروخت تھے، آپ کا ہاتھ صدقات کی بادبہاری تھا، اگر کوئی محتاج و ضرورت مند آجاتا تو اپنے اوپر اس کو ترجیح دیتے، اور ایشیا سے کام لے کر کبھی کھانا، کبھی کپڑا عنایت فرمادیتے، آپ کے دینے کے انداز اور وجوہ بھی مختلف ہوتے تھے، کبھی ہبہ کر دیتے، کبھی صدقہ دیتے، کبھی ہدیہ کے نام سے مرحمت فرماتے، کبھی کسی سے کوئی چیز خریدتے، پھر اس کو اس کا سامان اور قیمت دونوں ہی عنایت فرمادیتے، جیسا آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا، کبھی کسی سے قرض لیتے اور جب قرض واپس کرتے تو اصل سے زائد اور بہتر دیتے، کبھی کوئی چیز خریدتے اور اصل قیمت سے زائد مرحمت فرماتے، ہدیہ قبول فرماتے، پھر اس سے بہتر یا کئی گنا زائد ہدیہ دیتے، غرض کہ ہر ممکن طریقہ سے صدقات و خیرات اور نیکی و صلہ رحمی کے نئے نئے طریقے، اور نرلے انداز پیدا فرما لیتے، صلے اللہ علیہ آکرم وسلم۔

زکوٰۃ کے بارے میں بھی وقت، مقدار، نصاب، اور کس پر واجب ہوتی ہے؟ اور اس کی کیا مصارف ہیں، ہر اعتبار و لحاظ سے آپ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کا طریقہ بڑا کامل و مکمل اور جامع ہے، آپ نے اس میں اہل ثروت کا بھی خیال فرمایا، اور مسکینوں اور محتاجوں کی مصلحت کا بھی، اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مال اور صاحب مال کے لئے پاکیزگی کا سبب اور اہل ثروت اور اغنیاء پر انعامات کا ذریعہ بنایا ہے۔

آپ کا طریقہ و معمول یہ تھا، کہ جس علاقہ کے اغنیاء سے زکوٰۃ لیتے اسی علاقہ کے فقراء اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے، اگر وہ ان کی ضرورت سے زائد ہوتی تو آپ کی

لے زاد المعاد ص ۱۵۷ لے قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلَّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ" (سورہ براءۃ - ۱۰۳)

خدمت میں لائی جاتی اور آپ اس کو خود تقسیم فرماتے، زکوٰۃ لینے والوں کو آپ صرف ان اہل اموال کے پاس بھیجتے تھے جو پوپائے کھیتی، باغات جیسی نمایاں املاک و سرمایہ کے مالک ہوں، آپ کا یہ طریقہ نہ تھا کہ زکوٰۃ میں صاحب مال کا اچھا مال لے لیا جائے، بلکہ درمیانی درجہ کا لیا جائے، آپ نے فطرہ کی ادائیگی بھی ضروری فرمائی، اور آپ کا معمول یہ تھا کہ عید گاہ جانے سے پہلے فطرہ نکال دیتے تھے۔

روزہ اور اسوۂ نبویؐ

سلسلہ میں روزے کی فرضیت ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹۔ رمضان کے روزے رکھ کر وفات پائی۔

روزے کے بارے میں اگر آپ کا طریقہ ایک طرف جامع و مکمل اور حصول مقصد (اصلاح نفس و اظہار عبودیت) کا مفید ترین و مؤثر ترین ذریعہ تھا، تو دوسری طرف سہل و آسان بھی تھا، رمضان مبارک میں آپ مختلف عبادات کی کثرت فرماتے تھے، حضرت جبریلؑ آتے تھے، اور آپ سے قرآن پاک کا دور کرتے تھے، اور جب حضرت جبریلؑ آتے تھے تو اس وقت آپ کے جو دو سخا کا فیض اس طرح جاری ہوتا تھا، جیسے انعامات و عطا کی بادشند و تیز ہو، رمضان میں آپ بہت سی وہ عبادتیں کرتے تھے، جو غیر رمضان میں نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی مسلسل روزہ رکھتے، حالانکہ صحابہ کرام کے لئے آپ نے صوم وصال (مسلسل روزہ) ممنوع قرار دے رکھا تھا، جب صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا، میں تمہاری طرح نہیں ہوں

لے فقہاء کی اصطلاح میں اس کو سوال ظاہرہ کہتے ہیں، لے تلخیص از زاد المعاد ص ۱۵۱-۱۵۵

میں اپنے رب کے پاس اس حال میں رات گزارتا ہوں (اور ایک روایت میں ہے کہ دن گزارتا ہوں) کہ وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے سحری کھانے پر آپؐ زور دیتے، اس کی ترغیب دیتے اور مسلمانوں کے لئے اس کو مسنون قرار دیتے تھے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "سحری کھاؤ، کیونکہ سحری میں برکت ہے" اور آپؐ سے صحیح روایت یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کے کھانے کا ہے" افطار میں تاخیر کرنے سے منع فرماتے، اور اس کو مفاسد کا ذریعہ اور غالی اہل کتاب کا شعار بتاتے اور فرماتے: "لوگ اس وقت تک خیر کے ساتھ رہیں گے، جب تک افطار میں (وقت آنے پر) تعجیل سے کام لیں گے" اور فرماتے: "دین اس وقت تک غالب رہے گا، جب تک لوگ افطار میں تعجیل کریں گے، کیونکہ یہود و نصاریٰ تاخیر کرتے ہیں" اور سحری میں آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کا طریقہ تاخیر کا تھا۔

معمول یہ تھا کہ نماز سے پہلے افطار کرتے، چند رطب (ترکھجوریں) اگر موجود ہوتیں، تناول فرماتے، اگر نہ ملتیں تو خشک کھجوریں تناول فرماتے، ورنہ پانی ہی کے چند گھونٹ پی لیتے، افطار کرتے وقت فرماتے:۔

اللَّهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ
أَفْطَرْتُ۔ اے اللہ! آپ ہی کے لئے روزہ رکھا اور
آپ ہی کے رزق سے افطار کرتے ہیں۔

اور فرماتے:۔

ذَهَبَ الظَّمْأُ وَأَبْطَلَتِ الْعُرُوقُ
وَبَيَّتَ الْأَجْرُ إِنِشَاءَ اللَّهِ تَعَالَى۔ پیاس بجھ گئی، ارگیں تر ہو گئیں اور
انشاء اللہ تعالیٰ اجر ثابت ہو گیا۔

۱۔ صحیحین و ترمذی و نسائی ۲۔ مسلم شریف ۳۔ صحیحین، مؤطا، ترمذی ۴۔ ابوداؤد
۵۔ بخاری شریف ۶۔ باب فضل من قام رمضان

رمضان مبارک میں آپ نے اسفار بھی فرمائے ہیں، کبھی روزہ رکھا، کبھی نہ رکھا اور صحابہ کرام کو روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا، اگر جنگ سر پر ہوتی تو روزہ نہ رکھنے کا حکم دیتے تاکہ دشمن سے جنگ کرنے کی قوت رہے، رمضان ہی میں آپ نے سب سے عظیم اور فیصلہ کن غزوہ غزوہ بدر اور غزوہ فتح مکہ کا سفر کیا، نماز تراویح آپ نے تین دن پڑھائی، شدہ شدہ بہت سے لوگوں تک خبر پہنچ گئی، اور مجمع کثیر اکٹھا ہو گیا، چوتھی رات میں مجمع اتنا ہو گیا کہ مسجد ناکافی ہو گئی، اس رات آپ گھر سے نماز فجر ہی کے لئے نکلے اور نماز فجر کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا، میں تمہارے یہاں (اس تعداد میں) موجود ہونے سے لاعلم نہ تھا، لیکن مجھے اس کا خوف ہوا کہ کہیں یہ (نفل نماز تراویح) تم پر فرض نہ کر دی جائے، اور پھر وہ تم سے نبھ نہ سکے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک بات یہیں تک رہی، آپ کے بعد صحابہ کرام نے تراویح کا اہتمام کیا، یہاں تک کہ وہ اہل سنت کا شعار بن گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ بکثرت نفل روزے رکھتے تھے، اور ترک بھی فرماتے تھے، رکھتے تو خیال ہوتا کہ رکھتے ہی رہیں گے، اور چھوڑتے تو خیال ہوتا کہ انہیں کھیں گے، لیکن رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے نہیں رکھے، اور شعبان میں جتنے روزے رکھتے تھے، اتنے کسی مہینہ میں نہیں رکھتے تھے، دو شنبہ اور جمعرات کے روزہ کا خاص اہتمام فرماتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ

بخاری شریف: باب فضل من قام رمضان " لے تراویح، اس کے آغاز اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جس طرح اس کو منظم طریقہ پر باجماعت ادا کرنے کا اہتمام فرمایا، اور اس کی رکعتوں کی تعداد وغیرہ کے سلسلہ میں کتب شروح حدیث اور کتب فقہ کا مطالعہ کیجئے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — سفر و حضر کسی حالت میں ایام بھیر (مہینہ کی ۱۳-۱۴-۱۵) کے روزے نہیں چھوڑتے تھے اور اس کی تاکید فرماتے تھے، اور دنوں کے مقابلہ میں عاشوراء کا خاص اہتمام تھا، آپ نے عاشوراء کا روزہ رکھا، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ دن تو یہود و نصاریٰ کے ہاں مقدس دن ہے، آپ نے فرمایا، اگر آئندہ سال موقع ملا تو انشاء اللہ نویں کا بھی روزہ رکھیں گے۔

یوم عرفہ کو آپ روزہ نہیں رکھتے تھے، آپ کا معمول کئی کئی دن پے درپے روزہ رکھنے، یا صوم دہر کا نہیں تھا، آپ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ کو صوم داؤد سے زیادہ پسند ہے، وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن چھوڑتے تھے، آپ کی یہ بھی عادت شریف تھی کہ گھر تشریف لے جاتے اور دریافت فرماتے کچھ کھانے کو ہے؟ اگر جواب نفی میں ملتا تو فرماتے تو اچھا آج میں روزہ سے ہوں۔

وفات تک آپ کا معمول رہا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، ایک مرتبہ وہ رہ گیا تو شوال میں اس کی قضا کی، ہر سال دس دن کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، لیکن جس سال وفات ہوئی اس سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا، اور حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال آپ سے ایک مرتبہ قرآن شریف کا دور کرتے تھے، لیکن سال وفات دو مرتبہ دور کیا۔

حج و عمرہ کے بارے میں طریقہ و اسوۂ نبوی

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

لے نسائی شریف ج ۵ مسلم شریف، کتاب الصیام ج ۵ تلخیص از زاد المعاد ص ۱۵۸-۱۶۶ مع اضافات

ج ۵ کی حکمتوں، اسرار کے لئے مولف کی کتاب ارکان الحج کا باب حج اور احکام تفصیلات کے لئے زاد المعاد

ملاحظہ فرمائیے۔

صرف ایک حج فرمایا، اور وہی حجتہ الوداع تھا، جو باتفاق سنہ ۹ میں ادا فرمایا گیا، حج کی فرصت باختلاف رائے سنہ ۹ یا سنہ ۱۰ میں ہوئی ہے، ہجرت کے بعد آپ نے چار عمرے کئے، وہ سب ماہ ذی قعدہ میں ہوئے۔

آپ کے حج کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا اور لوگوں کو اس کی اطلاع کر دی کہ آپ حج کے لئے جانے والے ہیں، یہ سن کر لوگوں نے آپ کے ساتھ حج میں جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اس کی خبر مدینہ کے اطراف میں بھی پہونچی اور وہاں سے لوگ جوق درجوق مدینہ حاضر ہوئے، راستہ میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ اس قافلہ میں شامل ہوتے گئے کہ ان کا شمار مشکل ہے، خلقت کا ایک ہجوم تھا، جو آگے پیچھے، دائیں بائیں حدنگاہ تک آپ کو اپنے جلو میں ہوئے تھا، آپ مدینہ سے دن میں ظہر کے بعد ۲۵ ذی القعدہ کو منیچر کے دن روانہ ہوئے، پہلے ظہر کی چار رکعتیں آپ نے ادا فرمائیں، اس سے پہلے خطبہ دیا، اور اس میں احرام کے واجبات و سنن بیان فرمائے۔

پھر تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے، اس کے الفاظ تھے :-

بِسْمِ اللَّهِ أَتِيكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ

لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ

وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ۔

لے اس تلخیص میں ہم نے "زاد المعاد" پر اعتماد کیا ہے، جس میں مؤلف نے روایت تاریخ اور فقہ ہر اعتبار سے موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، یہ تلخیص مؤلف کی کتاب "نبی رحمت" سے نقل کی جا رہی ہے۔

بج ان الفاظ میں کبھی اختصار (کبھی فرط شوق سے حذف و اضافہ کرتا) آپ اس پر کوئی تکبیر نہ فرماتے، تلبیہ کا سلسلہ آپ نے برابر جاری رکھا، اور عَزَّج میں پہنچ کر پڑاؤ کیا آپ کی سواری اور حضرت ابو بکرؓ کی سواری ایک تھی۔

پھر آگے روانہ ہوئے اور "الأبواء" پہنچے، وہاں چل کر وادی عسفان اور سرف میں پہنچے، پھر وہاں سے روانہ ہوئے "ذی طوی" میں منزل کی اور پھر کی رات وہاں گزاری یہ ذی الحجہ کی چار تاریخ تھی، فجر کی نماز آپ نے یہیں ادا فرمائی، اسی روز غسل بھی فرمایا، اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے، مکہ میں آپ کا داخلہ دن میں بالائی مکہ کی طرف سے ہوا، وہاں سے چلتے ہوئے آپ حرم شریف میں داخل ہوئے، یہ چاشت کا وقت تھا، بیت الشریہ نظر پڑتے ہی آپ نے فرمایا:-

اللَّهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هَذَا شَرِيفًا
وَتَعْظِمْ وَتَكْرِمْ وَمَهَابَةً
اے اللہ اپنے اس گھر کی عزت و شرف
تعمیم و تکریم اور رعب و ہیبت میں

اور اضافہ فرما۔

دست مبارک بلند کرتے، تکبیر کہتے اور ارشاد فرماتے:-

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ
السَّلَامُ حِينَ بَرَأْنَا بِالسَّلَامِ
اے اللہ آپ سلامتی ہیں، آپ ہی سے
سلامتی کا وجود ہے، اے ہمارے رب

ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔

جب حرم شریف میں آپ داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے کعبہ کا رخ کیا حجر اسود کا سامنا ہوا، تو آپ نے بغیر کسی مزاحمت کے اس کا بوسہ لیا، پھر طواف کے لئے دائیں طرف رخ کیا، بیت اللہ آپ کے بائیں طرف تھا، اس طواف کے پہلے

تین شوط میں آپ نے رمل کیا۔

آپ تیزی سے قدم اٹھاتے تھے، قدموں کا فاصلہ مختصر ہوتا تھا، اپنی چادر آپ نے اپنے ایک شانہ پر ڈال لی تھی، دوسرا شانہ مبارک کھلا ہوا تھا، جب آپ حجر اسود کے سامنے گذرتے تو اس کی طرف اشارہ کر کے اپنی چھڑی سے استلام کرتے، جب طواف سے فراغت ہوئی تو مقام ابراہیم کے پیچھے تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

تَتَّخِذُ وَاٰمِنَ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

مُصَلًّی (سورۃ البقرہ - ۱۲۵)

اس کے بعد یہاں دو رکعتیں پڑھیں، نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کے قریب تشریف لے گئے، اور اس کا بوسہ لیا، پھر صفا کی طرف اس دروازہ سے چلے جو آپ کے مقابل تھا، جب اس کے قریب آئے تو فرمایا۔

”اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ، اَبَدًا اَبَاصِدًا اَللّٰهُ بِهِ“ (صفا اور

مرودہ اللہ تعالیٰ کے شعائر اور نشانیوں میں سے ہیں، میں شروع کرتا ہوں اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔)

پھر آپ صفا تشریف لے گئے یہاں تک کہ بیت الشراپ کو نظر آنے لگا، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و کبریائی کا اعلان کیا:-

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدًا لَا شَرِيْكَ لَهُ الشِّرْكَ سَوَ اَكُوْنُ مَعْبُوْدًا نِّهٰی، وَهٖ كِتَابُ

لَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ

لہ رمل کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو مناسک و مسائل حج کی کتابیں۔ لہ جس کو اصطلاح میں

”اضطباع“ کہتے ہیں تفصیل کے لئے مسائل حج کی کتابیں دیکھی جائیں۔

شَيْءٌ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهَذَا
 النُّجْرُ وَهَذَا وَتَصَرَّعْتُكَ وَهَذَا
 الْأَحْزَابَ وَهَذَا۔

اور بادشاہی ہے اور اسی کے لئے ساری

حمد و تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

الشک کے سوا کوئی معبود نہیں وہ کہتا ہے

اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا

پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی، اور تمام

جماعتوں اور گروہوں کو تنہا شکست دی۔

مگر میں آپ نے چار روز یک شنبہ، دو شنبہ، شنبہ، چہار شنبہ قیام فرمایا، جمعرات کے روز دن نکلنے ہی آپ تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لے آئے، ظہر و عصر کی نمازیں ہمیں ادا فرمائیں اور رات بھی ہمیں بسر کی یہ جمعہ کی رات تھی جب آفتاب نکل آیا تو آپ عرفہ کی طرف روانہ ہوئے آپ نے دیکھا کہ غمرہ میں آپ کے لئے خیمہ لگایا جا چکا ہے، چنانچہ آپ اسی میں اترے جب زوال کا وقت ہو گیا تو اپنی اونٹنی "قصواء" کو تیار کرنے کا حکم دیا پھر وہاں سے روانہ ہو کر عرفہ کے میدان کے وسط میں آپ نے منزل کی، اور اپنی سواری ہی پر تشریف رکھتے ہوئے ایک مہتمم بالشان خطبہ دیا جس میں آپ نے اسلام کی بنیادوں کو واضح کیا، اور شرک و جہالت کی بنیادیں منہدم کر دیں اس میں ان تمام حرام چیزوں کی آپ نے تحریم فرمائی جن کے حرام ہونے پر تمام مذاہب و اقوام متفق ہیں، اور وہ ہیں، ناحق خون کرنا، مال غصب کرنا، آبروریزی، جاہلیت کی تمام باتوں اور مروجہ کاموں کو اپنے قدموں کے نیچے پا مال کر دیا، جاہلیت کا سودا کل کا کل آپ نے ختم کر دیا، اور اس کو بالکل باطل قرار دیا، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی، اور ان کے جو حقوق ہیں، میزان کے ذمہ جو حقوق ہیں، ان کی توضیح کی اور یہ بتایا کہ دستور کے مطابق، اخلاق و حسن سلوک کے معیار پر خوراک

اور لباس، نان نفقہ ان کا حق ہے۔

امت کو آپ نے کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے کی وصیت کی، اور ارشاد فرمایا کہ جب وہ اس کے ساتھ اپنے کو اچھی طرح وابستہ رکھیں گے، گمراہ نہ ہوں گے، آپ نے ان کو آگاہ کیا کہ ان سے کل قیامت کے دن آپ کے بارے میں سوال ہوگا، اور ان کو اس کا جواب دینا ہوگا، اس موقع پر آپ نے تمام حاضرین سے دریافت فرمایا کہ وہ اس موقع پر کیا کہیں گے، اور کیا گواہی دیں گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پیغام حق بے کم و کاست پہنچا دیا، اپنا فرض پورا کیا، اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تمیں بار اللہ تعالیٰ کو ان پر گواہ بنایا، اور ان کو حکم دیا جو یہاں موجود ہے، وہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچائے جو یہاں موجود نہیں۔

جب آپ اس خطاب سے فارغ ہوئے، تو آپ نے بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، انھوں نے اذان دی، پھر آپ نے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی، اسی طرح عصر کی بھی دو رکعت پڑھی، یہ جمعہ کا روز تھا۔

ناز سے فارغ ہو کر آپ اپنی سواری پر تشریف لے گئے، اور موقف پر آئے، یہاں آکر آپ اپنے اونٹ پر بیٹھ گئے، اور غروب آفتاب تک دعاء و مناجات اور مالک الملک کے حضور تضرع و ابتهال اور اپنی عاجزی و بے چارگی کے اظہار میں مشغول رہے، دعائیں اپنا دست مبارک سینہ تک اٹھاتے تھے جیسا کہ کوئی سائل اور مسکین نان شبینہ کا سوال کر رہا ہو، دعایہ تھی:۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ کَلَامِي وَ تَرٰی اے اللہ تو میری سنتا ہے اور میری جگہ کو

مکانی و تعلم سِرِّی و عَلَانِیَّتِی دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو

اے وقوف کی جگہ جہاں آپ نے دیر تک عافرائی تھی، وہ جگہ اب بھی عرفات میں معروف و معین ہے۔

لَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي،
 أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ
 الْمُتَجِدِّرُ وَالْوَحْلُ الْمُسْفَقُ،
 الْمُقَرَّ الْمُضَرَّفُ بِذُنُوبِي، أَسْأَلُكَ
 مَأْلَةَ الْمَكِينِ وَابْتِهَالُ إِلَيْكَ
 بِإِيْمَالِ الْمُذْنِبِ الدَّائِلِ، وَأَذْخُوكَ
 دُعَاءَ الْخَائِفِ الصَّرِيرِ، مَنِ خَضَعَتْ
 لَكَ رَقَبَتُهُ، وَفَاضَتْ لَكَ عَيْنَاهُ،
 وَذَلَّ جِسْمُهُ، وَرِعِمَ أَنْفُهُ لَكَ،
 اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي بِدُعَائِكَ رَبِّ
 شَقِيًّا، وَكُنْ لِي رَقُودًا رَحِيمًا،
 يَا خَيْرَ الْمُسْتَوَلِينَ، وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ.
 جانتا ہے تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں
 رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں
 فریادی ہوں، پناہ جو ہوں پریشان ہوں
 ہر اسام ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا
 ہوں، اعتراں کرنے والا ہوں، تیرے آگے
 سوال کرتا ہوں، جیسے بے کس سوال کرتے ہیں
 تیرے آگے گڑا گڑاتا ہوں جیسے گنہگار،
 ذلیل و خوار گڑا گڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب کرتا
 ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسید طلب کرتا ہوں
 اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن
 تیرے سامنے جھکی ہو، اور اس کے آنسو بہہ
 رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے
 فروتنی کئے ہوئے ہو، اور اپنی ناک تیرے رخ
 رگڑ رہا ہو، اے رب تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے
 میں ناکام نہ رکھ، اور میرے حق میں براہم رہا
 اور رحم کرنے والا ہو، جا اے سب مانگے جانے
 والوں سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے۔

اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی :-

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَعْتُ
 آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے

دینا (سورہ مائدہ - ۳) اسلام کو بحیثیت دین انتخاب کر چکا۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو آپ عرفہ سے روانہ ہو گئے، اور اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے بٹھایا، آپ سکینت و وقار کے ساتھ آگے چلے، اونٹنی کی مہار آپ نے اس طرح سمیٹ لی تھی کہ قریب تھا کہ اس کا سر آپ کے کجاوہ سے لگ جائے، آپ کہتے جاتے تھے کہ لوگو! سکونِ اطمینان کے ساتھ چلو، راستہ بھر آپ تلبیہ کرتے جاتے، اور جب تک مزدلفہ نہ پہنچ گئے، یہ سلسلہ جاری رہا، وہاں پہنچتے ہی آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم فرمایا، اذان دی گئی، آپ کھڑے ہو گئے، اور اونٹوں کو بٹھانے اور سامان اتارنے سے پہلے مغرب کی نماز ادا فرمائی، جب لوگوں نے سامان اتار لیا، تو آپ نے عشاء کی نماز بھی ادا فرمائی، پھر آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے، اور فجر تک سوئے۔

نماز فجر اول وقت ادا فرمائی، پھر سواری پر بیٹھے اور مشعرِ احرام آئے اور قبلہ رو ہو کر دعاء و تضرع، تکبیر و تہلیل اور ذکر میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ خوب روشنی پھیل گئی، یہ طلوعِ آفتاب سے پہلے کی بات ہے، پھر آپ مزدلفہ سے روانہ ہوئے، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سواری پر آپ کے پیچھے تھے، آپ برابر تلبیہ میں مشغول رہے، آپ نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ رمی جمار کے لئے سات کنکریاں چن لیں، جب آپ وادیِ محشر کے وسط میں پہنچے تو آپ نے اونٹنی کو تیز کر دیا اور بہت عجلت فرمائی، اس لئے کہ یہی وہ جگہ ہے، جہاں اصحابِ نبیل پر عذاب نازل ہوا تھا، یہاں تک کہ منیٰ پہنچے اور وہاں سے حمزہ العقبہ تشریف لائے اور سواری پر طلوعِ آفتاب کے بعد رمی کی اور تلبیہ موقوف کیا۔

پھر منیٰ واپسی ہوئی، یہاں پہنچ کر آپ نے ایک طبعِ خطیبہ یا جس میں آپ نے

یوم النحر کی حرمت سے آگاہ کیا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دن کی جو فضیلت ہے اس کو بیان کیا، دوسرے تمام شہروں پر مکہ کی فضیلت و برتری کا ذکر کیا اور جو کتاب اللہ کی روشنی میں ان کی قیادت کرے اس کی اطاعت و فرماں برداری ان پر واجب قرار دی پھر آپ نے حاضرین سے کہا کہ وہ اپنے مناسک و اعمال حج آپ سے معلوم کر لیں آپ نے لوگوں کو یہ بھی تلقین فرمائی کہ دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارتے رہو۔۔۔۔۔ آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ یہ سب باتیں دوسروں تک پہنچادی جائیں، اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:-

اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسًا
اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی
وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَطِيعُوا إِذَا أَمَرَكُمْ
نماز پڑھو، ایک مہینہ (رمضان) کا روزہ
تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ
رکھو اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو،
اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اس وقت آپ نے لوگوں کے سامنے وداعیہ کلمات بھی کہے اور اسی وجہ سے اس حج کا نام ”حجۃ الوداع“ پڑا۔

پھر منیٰ میں ”منحہ“ تشریف لے گئے، اور ترستھ اونٹ اپنے دست مبارک سے قبضہ فرمائے، جتنے اونٹ آپ نے قبضہ کئے، وہی تعداد عمر شریف کے سنین کی تھی، اتنی تعداد کے بعد آپ نے توقف کیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ تم میں جتنے باقی ہیں وہ پورے کریں، غرض آپ نے جب قربانی مکمل کر لی، تو آپ نے حجام کو طلب فرمایا اور حلق کروایا، اور اپنے بوئے مبارک قریب کے لوگوں میں تقسیم فرمادیئے، پھر سواری پر بٹہ روانہ ہوئے، طواف افاصلہ کیا جس کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں، پھر بئر زمزم کے پاس تشریف لائے، اور کھڑے ہو کر پانی نوش فرمایا،

پھر اسی روز منیٰ واپسی ہوئی، اور شب میں گزاری دوسرے دن آپ زوال آفتاب کا انتظار کرتے رہے، جب زوال کا وقت ہو گیا تو آپ اپنی سواری سے اتر کر می جمار کے لئے تشریف لے گئے، حجرہ اولیٰ سے آغاز فرمایا، اس کے بعد حجرہ وسطیٰ اور حجرہ عقبہ کے قریب جا کر می کی منیٰ میں آپ نے دو خطبے دیئے، ایک قربانی کے دن جس کا ذکر ابھی اوپر گذرا، دوسرا قربانی کے دوسرے روز۔

یہاں آپ نے توقف فرمایا، اور ایام تشریق کے تینوں دن کی رمی کمل کی، پھر مکہ کی طرف توجہ کی اور سحر کے وقت طواف وداع کیا، اور لوگوں کو تیاری کا حکم فرمایا، اور مدینہ کی طرف غناں کش ہوئے۔

جب آپ غدیر خم پہنچے تو آپ نے ایک خطبہ دیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان فرمائی، اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:-

مَنْ كُنْتُ مُوَلًّاهُ فَقُلْتُ مُوَلًّاهُ اللَّهُمَّ جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو
وَالَّذِي مَعَهُ وَالْآلُ وَالْعَادِلُ مَنْ عَادَاهُ محبوب ہونا چاہئے اے اللہ جو علی سے

لہ یہ حصہ زاد المعاد سے اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے، ج ۱ صفحہ ۱۲۹-۱۳۰، ان مباحث کو چھوڑ دیا گیا ہے، جن میں مصنف نے زیادہ توسع اور تفصیل سے کام لیا ہے، اسی طرح فقہاء و محدثین کے اختلافات بھی حذف کر دیئے گئے ہیں۔ لہ غدیر خم کے درمیان ہے، مجتہد اور اس میں دو میل کا فاصلہ ہے۔

لہ بروایت امام احمد اور نسائی، اس خطبہ کے ارشاد فرمانے کا ایک خاص سبب یہ تھا کہ کچھ لوگوں نے حضرت علیؑ کی آپ سے (بے جا) شکایت کی تھی اور ان کو آپ سے کسیدگی ہو گئی تھی، بعض ایسے لوگوں نے ان پر اعتراضات کئے تھے، جو یمن میں ان کے ساتھ تھے، اور حضرت علیؑ کے اس رویہ سے جو انصاف پر مبنی تھا، ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ اس میں جانبداری سے کام لیا گیا ہے (ابن کثیر ج ۲ ص ۴۱۵-۴۱۶)

محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو

ان سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

جب آپ ذوالحلیفہ آئے تو رات یہیں بسر کی، سواد مدینہ پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے تین بار تکبیر کہی اور ارشاد فرمایا:۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اَبُوْنَ تَائِبُوْنَ

عَائِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا

حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللَّهُ وَعْدُهُ

وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَكْثَرَابَ

وَحْدَهُ ۛ

فرمان بردارانه زمین پر پشانی رکھ کر

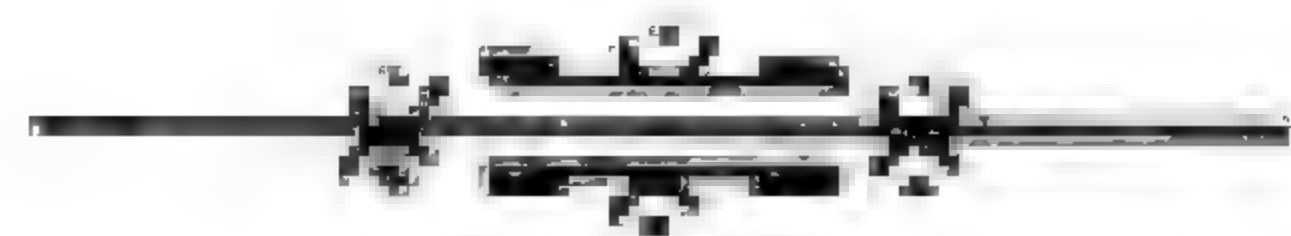
اپنے پروردگار کی مدح و ستائش میں مشغول

ہو کر اُخدا نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بند

کی نصرت کی اور تمام قبائل کو تنہا

شکست دی۔

آپ مدینہ طیبہ میں دن کے وقت داخل ہوئے۔



خاص موقعوں اور خاص وقتوں کے اذکار اور مسنون عائیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبودیت، توجہ الی اللہ اور ذکر الہی کا کامل ترین اور افضل ترین نمونہ تھے، آپ کی زبان و دل ہمہ وقت ذکر الہی میں مشغول و مصروف رہتے، اور ہر حال میں آپ کو خدا کی یاد رہتی، آپ صحابہ کرام کو تعلیم دیتے تھے کہ جب سونے کا ارادہ کریں تو یہ دعا کریا کریں:-

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ وَجْهَیْ اِلَیْكَ	اے اللہ میں نے اپنا رخ تیری طرف کر دیا
وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ، وَالْجَنَّتْ	اور اپنا معاملہ تجھے سپرد کر دیا، اور اپنی
ظَهْرُیْ اِلَیْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَیْكَ	پیٹھ تیری طرف رکھ دی تیری رغبت و خوف سے
لَا مَلْجَا وَلَا مَنَاجَا مُنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ	سوا تیرے کوئی ٹھکانا اور پناہ نہیں میں تیری
اَمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ	اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اناری او
وَبِیْسَلِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ	اس نبی پر جس کو تو نے بھیجا۔

اور یہ فرماتے کہ (سونے سے پہلے) یہ تمہارے آخری کلمات ہوں، اگر تم اس رات میں مر گئے، تو فطرت پر تمہاری موت ہوگی۔

اے سلم شریف۔ باب ما یقول عند النوم وعند أخذ المصباح۔

اور جب سو کر اٹھتے تو فرماتے :-

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ
مَا أَمَاتَنَا وَالنَّيِّرِ النُّجُورِ۔

اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں مارنے
کے بعد جلایا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا

رات میں جب بیدار ہوتے تو فرماتے :-

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ، اللَّهُمَّ
اسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِي وَأَسْأَلُكَ
رَحْمَتَكَ، اللَّهُمَّ زِدْنِي حِلْمًا
وَلَا تَزِغْ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي
وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً
إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے
اے اللہ میں تجھ سے اپنے گناہ کی بخشش
چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا
طلب گارہوں اے میرے پروردگار
مجھے علم میں ترقی دے اور میرے دل کو کج
نہ کر اس کے بعد کہ تو نے مجھے ہدایت دی

اور اپنے پاس سے رحمت عطا فرما

بیشک تو بہت دینے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جس رات وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پر سوئے تھے انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیدار ہوئے تو سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر سورۃ آل عمران کی آخری دو آیتیں اِنَّ فِي خَلْقِ
الْمُؤْمِنِينَ سِمَاتٍ مِّنْ اٰخِرَتِكَ پڑھیں اور وتر سے قراعت کے بعد تین مرتبہ کہا کرتے تھے
”سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ“ اور تیسری مرتبہ کھینچ کر پڑھتے تھے جب گھر سے باہر تشریف
لے جاتے تو پڑھتے :-

بِسْمِ اللَّهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، اللَّهُمَّ
اللہ کے نام (چلتا ہوں) اللہ پر توکل کرتا ہوں

إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ
أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَ، أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ
أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ۔
اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس کے
کہ میں گمراہ ہوں یا گمراہ کیا جاؤں یا پھل
جاؤں، یا پھلا یا جاؤں، یا ظلم کروں
یا مظلوم بنوں، یا جہالت کا کام کروں
یا میرے ساتھ جہالت و نادانی کا معاملہ
کیا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے گھر سے نماز کے لئے نکلے اور یہ دعا کرے:-

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ
عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مُشَائِ هَذَا إِلَيْكَ
فَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ بَطْلاً وَلَا أَشْرَافاً
رِيَاءً وَلَا لِمَتَّةٍ، وَإِنَّمَا خَرَجْتُ
إِتْقَاءَ نَهْيِكَ وَإِتِّفَاعَ مَرْضَايَكَ
أَسْأَلُكَ أَنْ تُقَدِّدَ لِي مِنَ الْمَنَارِ
وَأَنْ تُغْفِرَ لِي ذُنُوبِي فَإِنَّكَ
لَا تَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔
اے اللہ آپ کے در کے بھکاریوں کے طفیل
اور آپ کی طرف اس چلنے کے طفیل میں
اچھے سوال کرتا ہوں، نہ میں اترانا اور
اگر تانا نکلتا ہوں نہ ریاکاری اور شہرت
کے لئے، بلکہ آپ کے غضب و ناراضگی
کے خوف اور آپ کی رضا و خوشنودی کی
طلب میں نکلا ہوں، میرا سوال ہے کہ آپ
مجھے آگ سے نجات دے دیجئے اور میرے
گناہ معاف فرما دیجئے آپ کے ماسوا کوئی
گناہ معاف کرنے والا نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتوں کو لگا دیتے ہیں، جو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں،

اور خدا تعالیٰ بذات خود اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبی پر درود و سلام بھیجے اور پھر کہے:-

اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اے اللہ میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب مسجد سے نکلے تو کہے:-

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل چاہتا ہوں۔

جب صبح ہوتی تو آپ فرماتے:-

اللَّهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا اے اللہ آپ ہی سے ہماری صبح ہوئی،
وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوتُ وَبِكَ النُّشُورُ اور آپ ہی سے ہماری شام ہے، آپ ہی سے ہماری زندگی ہے، اور آپ ہی سے ہماری موت، اور آپ ہی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

اور یہ بھی فرماتے:-

أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمَلَكُ لِلَّهِ وَالْحُكْمُ لِلَّهِ ہم نے اور (خدا کی اس) کائنات نے
وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَهَذِهِ لَأَسْرِيكَ لَهُ خدا کے لئے صبح کی اور اللہ کے علاوہ کوئی
لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى معبود نہیں، جو واحد ہے، اس کا کوئی
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ رَبِّي أَسْأَلُكَ شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے، اسی کی

اے حدیث صحیح۔

خَيْرَ مَا فِي هَذَا الْيَوْمِ وَفِي مَا بَعْدَ
وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذَا الْيَوْمِ
وَشَرِّ مَا بَعْدَهُ، رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ
الْكَسَلِ، وَسُوءِ الْكَيْدِ، رَبِّ أَعُوذُ بِكَ
مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ، وَعَذَابٍ
فِي الْقَبْرِ۔

تعلیفیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے
اے اللہ ہم آپ سے اس دن کی بھلائی
اور اس دن کے بعد کی بھلائی کے طالب
ہیں، اور اس دن کے شر اور اس کے بعد
شر سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں، اے
پروردگار ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں،
کاہلی سے، اور بُرے بڑھاپے سے اور
آپ کی پناہ چاہتے ہیں، دوزخ کے عذاب
اور قبر کے عذاب سے۔

اور جب شام ہوتی تو فرماتے :-

أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمَلِكُ لِلَّهِ (تو حکم)
ہم نے اور ساری کائنات نے خدا کے
لئے شام کیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے ایسے کلمات تلقین فرمادیجئے جنہیں
میں صبح و شام کہا کروں، آپ نے فرمایا، یہ کہا کرو :-

اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبِّ
كُلِّ شَيْءٍ وَمَوْلَاكَ وَمَا لَكَ، أَشْهَدُ
أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ

اے اللہ اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے
غیب و حضور کا علم رکھنے والے ہر چیز کے
پروردگار، آقا و مالک، میں گواہی دیتا
ہوں، کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں،

اے مسلم شریف۔

مِنْ شَرِّ نَفْسِي، وَشَرِّ الشَّيْطَانِ
وَشَرِّكُمْ وَأَنْ أَقْتَرِفَ عَلَى نَفْسِي
مَوْءَاذًا جَبْرًا إِلَى الْمُسْلِمِ
میں اپنے نفس کے شر اور شیطان کے شر
اور اس کے شرک اور اس سے کہ میں
اپنے خلاف کسی بُرائی کا ارتکاب کروں
یا کسی مسلمان کے ساتھ بُرائی کروں آپ کی
پناہ چاہتا ہوں۔

اور فرمایا کہ جب صبح ہو تو کہا کرو:-

أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمَلِكُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ
هَذَا الْيَوْمِ، فَخْرَهُ وَنُصْرَهُ وَتَوَكُّلَهُ
وَمُرَكَّتَهُ، وَهَيْدَكِيَّتَهُ، وَأَعُوذُ بِكَ
مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهُ-
ہم نے اور ساری کائنات نے اللہ کے
لئے جو سائے جہانوں کا رب ہے صبح کی،
لئے اللہ میں آپ سے اس دن کی خیر فتح
و نصرت، نور و برکت اور ہدایت مانگتا
ہوں اور اس دن کے شر اور اس کے
بعد کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اور جب شام ہو تو اسی طرح (أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمَلِكُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) کہہ کر
اپنی چھستی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، تمہیں اس میں کیا دقت
ہے کہ تم صبح و شام یوں کہہ لیا کرو:-

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، بِكَ أَسْتَعِيْثُ
فَا صَلِّ لِيْ شَأْنِيْ وَلَا تَكْطِبْ لِيْ الْاِنْفُسِ
طَرَفَةً عَيْنٍ-
اے زندہ اور سنبھالنے والے تیری
رحمت سے فریاد کرتا ہوں، میری ساری
حالت درست کر دے، اور مجھے ایک

لمحہ کے لئے میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔

اور فرمایا کہ سید الاستغفار (استغفار کی دعاؤں میں سب سے اعلیٰ دعا) یہ ہے کہ

بندہ یوں کہے :-

www.KitaboSunnat.com

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى
عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ
أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ،
أُبْتَغِيكَ بِعَمَلِكَ عَلَى وَابُوءُ
بِدَايَتِي، فَأَعْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ
الدُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ.

اے اللہ! آپ ہی میرے رب ہیں آپ کے
علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ نے مجھ کو
پیدا کیا، اور میں آپ کا بندہ ہوں، او
آپ کے عہد و پیمان اور وعدہ پر
حسبِ قدرت جما ہوا ہوں، اپنے کرتوتوں
کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں،
آپ کے اپنے اور پر احسانات کا معترف
ہوں، اور اپنے گناہوں کا اقرار ہی ہوں
آپ ہی صرف مغفرت فرماتے والے ہیں۔

جب کبھی نیا لباس زیب تن فرماتے تو کہتے :-

اللَّهُمَّ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ
خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صَنَعَ لَهُ وَأَعُوذُ بِكَ
مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صَنَعَ لَهُ.

اے اللہ! آپ نے مجھے یہ (یہاں اس
لبوس کا نام بھی لیتے) پہنایا میں آپ سے
اس کی بھلائی اور جس مقصد سے بنایا گیا
ہے اس کی بھلائی کا طالب ہوں اور
اس کے شر اور جس مقصد کے لئے بنایا
گیا ہے اس کے شر سے آپ کی پناہ
مانگتا ہوں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص لباس پہنتے ہوئے یہ کہے
اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي هَذَا
وَلَذَّ قَنْبِيرٍ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مَنِيَّ
وَلَا قُوَّةَ۔

اس الشریکی تمام تعریفیں میں جس نے
مجھے یہ پہنایا اور بغیر میری کسی طاقت
وقت کے مجھے عنایت فرمایا۔

آپ نے ام خالد کو جب نیا ملبوس عطا فرمایا تو فرمایا:۔

أَبْنِي وَاخْلُقِي، ثُمَّ أَبْنِي وَاخْلُقِي۔
بوسیدہ کرو، پرانا کرو، بوسیدہ کرو،
پرانا کرو۔

روایات میں آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی اپنے گھر کے اندر
داخل ہو تو کہے:۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْجِبِ
وَأَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللَّهِ وَبِحَنَّا
وَعَلَى اللَّهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا۔

اے اللہ میں آپ سے (گھر میں) داخل
اور خارج ہونے کی بہتری مانگتا ہوں
ہم اللہ کے نام پر داخل ہوئے اور
ہم نے اللہ پر جو ہمارا رب ہے توکل کیا۔

بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پڑھتے:۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ
وَالْخَبَاثِثِ۔

اے اللہ میں گندگی اور گندی چیزوں
سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

بعض حدیثوں میں ہے:۔

الرَّجْسِ الْبَاطِلِ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔
گندے ناپاک مردود شیطان (سے پناہ مانگتا ہوں)

اور جب بیت الخلاء سے نکلے تو کہتے:-

غُفْرَانَكَ۔ تیری مغفرت چاہتا ہوں۔

اور یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ کہتے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي
الْأَذَى وَعَافَانِي۔

اس خدا کی تمام تعریفیں ہیں جس نے

مجھ سے تکلیف دہ چیز دور کی اور

عافیت بخشی۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر کہے:-

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی

شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے

بندہ اور رسول ہیں۔

اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازہ سے
چاہے داخل ہو، یہ مسلم شریف کی روایت ہے اور امام ترمذی نے کلمہ شہادت کے بعد
یہ اضافہ کیا ہے:-

اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ
وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ۔

اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک

حاصل کرنے والوں میں بنا۔

آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے بھی سنا گیا ہے:-

اے ابن ماجہ۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي
فِي دَارِي وَبَارِكْ لِي فِي رِزْقِي۔

اے اللہ میرے گناہ معاف فرما میرے گھر

میں میرے لئے وسعت فرما، اور میرے

رزق میں برکت عطا فرما۔

آپ نے اذان کے وقت سننے والے کے لئے اذان ہی کے الفاظ دہرانے کا حکم فرمایا
ہے، سوائے "حی علی الصلّٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کے کہ اس کا جواب "لا حول
ولا قوۃ الا باللہ" ہے، اور اذان سے فراغت کے بعد یہ کہا جائے :-

رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ
دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا۔

میں نے اللہ کو رب مانا، اسلام کو اپنا

دین مانا، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

رسول مانا۔

اور پھر درود شریف پڑھے، اور درود شریف کے بعد یہ دعا کرے :-

اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ
وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ بِمُحَمَّدٍ
بِالْوَسِيلَةِ وَالْفَضِيلَةِ، وَابْعَثْهُ
مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ إِنَّكَ
لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔

اے اللہ جو اس کمال پکار اور قائم ہونے والی

نماز کا رب ہے، محمد - صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم - کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما،

اور آپ کو مقام محمود میں پہنچا جس کا

آپ نے وعدہ فرمایا ہے، بے شک آپ

وعدہ خلا فی نہیں کرتے۔

جب کھانا شروع فرماتے تو کہتے "بسم اللہ" کھانے سے فراغت پر کہتے :-

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا
وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔

اس اللہ کی تمام تعریفیں جس نے ہمیں

کھلایا پلایا، اور اپنا فرمانبردار بنایا۔

بعض حدیثوں میں ”و کفانا وادانا“ کا اضافہ بھی ہے (ہماری ضرورتیں پوری کیں اور ہکوٹھکانا دیا) جب دسترخوان سامنے سے اٹھایا جاتا، تو کہتے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ حَقًّا كَثِيرًا طَيِّبًا الشُّرْكَى بے شمار اور اچھی تعریفیں ہیں
مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرُ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدِّعٍ جس سے کسی وقت بے نیازی نہیں
وَلَا مُسْتَعْنَى عَنْهُ بِنَا غَرَّ وَقِيلَ نہ اس کو خیر باد کیا جاسکتا ہے نہ اس سے
استغنا برتا جاسکتا ہے، ہمارا پروردگار
عزوجل۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں کھانا تناول فرمانے کے بعد یہ عافرائی:

أَفْطَرَ عِنْدَكُمْ الصَّائِمُونَ، وَأَكَلَ روزہ دار آپ کے یہاں روزہ کھولیں
مَلْعَامَكُمْ الْإِفْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمْ اور نیک لوگ آپ کے یہاں کھانا کھائیں
الْمَلَائِكَةُ۔ اور فرشتے آپ کے لئے رحمت کی دعا کریں!

جب نیا چاند (ہلال) دیکھتے تو فرماتے:-

اللَّهُمَّ أَهْلُهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ اے اللہ یہ چاند ہم پر امن و ایمان اور
وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، رَبِّكَ سلامتی اور اسلام کے ساتھ نکال،
اللَّهُ۔ (اے چاند) میرا تیرا پروردگار اللہ ہے۔

بعض حدیثوں میں یہ اضافہ ہے:-

وَالْتَوْفِيقِ يَا حَبِيبُ وَتَرْضَى رِبًّا اور اس کی توفیق کے ساتھ جس کو توفیق
وَرَبِّكَ اللَّهُ۔ کرتا ہے اور جس سے راضی ہے ہمارا
اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا :-

هَلَالٌ رُّشِدٍ وَخَيْرٌ هَلَالٌ
نِیکِ اور بھلائی کا چاند! نِیکِ اور بھلائی
رُشِدٍ وَخَيْرٍ کا چاند!

جب سفر کے لئے کھڑے ہوتے تو فرماتے :-

اللَّهُمَّ بِكَ انْتَشَرْتُ وَإِلَيْكَ
اَعْتَصَمْتُ، وَبِكَ اعْتَصَمْتُ،
فَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، اللَّهُمَّ أَنْتَ
ثِقَتِي، وَأَنْتَ رِجَائِي، اللَّهُمَّ
اَلْغِنِي مَا اَهْمَنِي وَمَا لَاحِقَهُ لِي
وَمَا أَنْتَ أَهْلَمُّ بِهِ مِنِّي عَزِّيزًا
وَجَلَّ شَأْؤُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ
اللَّهُمَّ زَوِّدْنِي التَّقْوَىٰ وَاعْصِرْنِي
ذَنْبِي وَوَجِّهْنِي لِلْخَيْرِ أَيْنَمَا
تَوَجَّهْتُ -
اے اللہ میں تیرے نام پر چلا، اور تیری
طرف رخ کیا، اور تیرا سہارا لیا اور تجھ پر
بھروسہ کیا، تو ہمارا بھروسہ اور ہماری
امید ہے، میری طرف سے وہ کام
کرو جس کی مجھے فکر ہے، اور جس کی
فکر نہیں، اور جس کو تو ہی زیادہ جانتا
ہے، تیرا ہمسایہ عزت سے ہے، اور
تیری تعریف بہت ہے، اور تیرے سوا
کوئی معبود نہیں، اے اللہ مجھے تقویٰ کا
زاد راہ عنایت فرما، میرے گناہ مٹا
فرما، اور میں جدھر کا رخ کروں تو مجھے
بھلائی کی طرف لے جا۔

اور جب سواری پر سوار ہو جاتے تو تین مرتبہ التبرا کبر کہتے، پھر پڑھتے :-

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا
وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى
پاک ہے وہ ذات جس نے (اس سواری کو)
ہمارے قابو میں دیا اور وہ (اگر اس کی

رَبَّنَا الْمُنْقَلِبُونَ۔

قدرت نہ ہوتی (ہمارے بس کی نہ تھی،

اور ہم سب اپنے پروردگار کی طرف ہی

پلٹ کر جانے والے ہیں۔

پھر کہتے:-

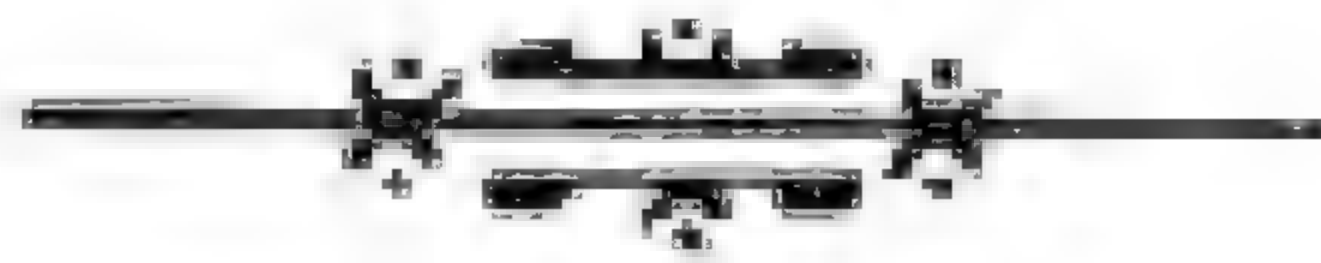
اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِي سَفَرِي هَذَا
الْبِرَّ وَالنَّقْوَى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضَى
اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ
وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ اللَّهُمَّ إِنِّي
أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعَثَائِ السَّفَرِ
وَكَاثِبَةِ الْمُنْقَلَبِ، هَوْنٍ عَلَيْنَا
السَّفَرِ وَاطْوَلِنَا الْبُعْدَ۔

اے اللہ ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے
اس سفر میں نیکو کاری اور پسندیدہ کاری
کی اور ان اعمال کی جو تیری رضا کا
باعث ہوں اے اللہ بس تو ہی ہمارا
رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں اور
ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل کی
دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا ہے
اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں
سفر کی مشقت اور زحمت سے
اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر
کوئی بُری بات پاؤں اس سفر کو
ہم پر آسان کر دے اور اس کی
طوالت کو اپنی قدرت و رحمت
سے مختصر کر دے۔

اور جب واپس ہوتے تو فرماتے:-

اَلْمُؤْمِنَاتُ نَافِلَاتُ عَابِدَاتٍ لِّرَبِّنَا
ہم واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ
کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے
حَامِدَاتٌ۔

ہیں اپنے پروردگار کی حمد و ستائش
کرنے والے ہیں۔



وہ عام اذکار و اوراد جن کی ترغیب و فضیلت آئی ہے

اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند جامع دعائیں

عام اذکار و اوراد

یہاں وہ عام اذکار و اوراد ذکر کئے جاتے ہیں جن کی بکثرت صحیح احادیث میں ترغیب اور فضیلت وارد ہوئی ہے، اس سلسلہ میں امام ابو زکریا محی الدین بن یحییٰ معروف بہ امام نووی کی "کتاب الاذکار" اور والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کی "تلخیص الاخبار" سے استفادہ و اختصار کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

کلمات خفیفتان علی اللسان	دو کلمے ہیں زبان پر لگے پھلکے، اور
تقیلتان فی المیزان، حییتان	میزان الہی میں بھاری بھر کم، اور
إِلَى الرَّحْمَنِ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ	خدائے رحیم کو بہت پسند (ایک)

لہ یہ کتاب "تہذیب الاخلاق" کے نام سے چھپی ہے، اور اس کے کئی ایڈیشن، حکومت قطر، المکتب الاسلامی بیروت، اور دار الاعتصام قاہرہ سے نکل چکے ہیں، کتاب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ.

”سبحان الشرح و بجدہ“ اور (دوسرا)

”سبحان الشرح العظیم“

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى
أَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ
لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ
أَكْبَرُ لَا يَضُرُّهُنَّ بَدَأْتُكَ.

اللہ تعالیٰ کو چار کلمے بہت پسند ہیں
سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر، ان میں کسی کلمے کی بھی
شروع کرو، حرج نہیں۔

اور آپ نے فرمایا:۔

الطَّهْوَرُ شَطْرُ الْإِيمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ
تَمْلَأُ الْمِيزَانَ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ
لِلَّهِ تَمْلَأُنَّ، أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ.

پاکي نصف ایمان ہے اور الحمد للہ
ترازو کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ
واحمد للہ آسمانوں اور زمین کو
بھر دیتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

لَأَنْ أَقُولَ: سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ
لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ
أَحَبُّ إِلَيَّ وَمَا طَلَعَتْ عَلَيْهِ
الشَّمْسُ.

میں سبحان اللہ واحمد للہ ولا الہ الا اللہ
واللہ اکبر کہوں یہ مجھے اس سے
زیادہ عزیز ہے جس پر سورج طلوع
ہوتا ہے (یعنی پورے دنیا سے زیادہ عزیز)

حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص دس مرتبہ کہے:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

اسی کی حکومت ہے اور اسی کی سب

تعلیفیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

گویا اس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا، جو دن بھر میں سو مرتبہ کہے:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

اسی کی حکومت ہے اور اسی کی

سب تعلیفیں اور وہ ہر چیز پر

قادر ہے۔

تو یہ دس غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہوگا، اور اس کی سونکیاں لکھی جائیں گی سو

خطائیں معاف کی جائیں گی، اور اس دن کی صبح سے شام تک شیطان سے اس کی

حفاظت ہوگی، اور کسی شخص کا عمل اس کے برابر نہ ہوگا، ہاں جو اس سے زیادہ عمل

کے۔

اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص دن بھر میں سو مرتبہ "سبحان اللہ و بچدہ" پڑھے

اس کی خطائیں چاہے ہندو کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، سب جھڑ جاتی ہیں۔
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے افضل ذکر ”لا الہ الا اللہ“ ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے ہر شخص پر حج کے بدلے صبح ایک صدقہ واجب ہوتا ہے، پس ”ہر سحان اللہ“ ایک صدقہ ہے، ”ہر احمدا للہ“ ایک صدقہ ہے، ”ہر لا الہ الا اللہ“ ایک صدقہ ہے، اور ”ہر اللہ اکبر“ ایک صدقہ ہے، اور ”امر بالمعروف ونہی عن المنکر“ صدقہ ہے، اور ان سب کی طرف سے کفایت کرنے والی چاشت کی دو رکعتیں ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو جنت کے ایک خزانہ کا پتہ نہ دوں ہیں نے کہا، کیوں نہیں حضور؟ فرمایا، کہو ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو یہ کہے:-

رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا	میں نے اللہ کو رب مانا، اسلام کو
وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ	دین مانا، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول مانا۔

اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسرائیل کی رات میں میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام

سے ہوئے، تو انھوں نے کہا کہ اے محمدؐ اپنی امت کو سلام کہنا اور یہ بتا دینا کہ جنت کی مٹی
 بڑی اچھی اور پانی بڑا شیریں ہے اور وہ خالی ہے اس کے پوئے، سبحان اللہ اور
 الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا:۔

مَنْ صَلَّى عَلَى صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا

جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے

اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں

نازل فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ لِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ
 أَكْثَرُهُمْ عَلَى صَلَاةٍ

قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ

قرب وہ شخص ہوگا، جو مجھ پر سب سے

زیادہ درود پڑھتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 نے فرمایا:۔

رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ جُنْدُکَ
 فَلَمْ يُصَلِّ عَلَیَّ

اس شخص کی ناک مٹی میں مل جائے (ذلیل

و غوار ہو) جس کے پاس میرا تذکرہ ہوا اور

وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا:۔

لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عَيْدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ
فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ
كُنْتُ

میری قبر کو جشن گاہ نہ بنانا، ہاں مجھ پر
درود پڑھو، تمہارا درود خواہ تم کہیں
بھی مجھ تک پہنچتا ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر شریف
لائے، تو ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپ پر سلام کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو چکا، یہ بتائیں کہ
آپ پر درود کیسے بھیجیں تو آپ نے فرمایا کہ یوں کہو:۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَأَصَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ، اللَّهُمَّ
بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَأَبَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى
آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ

اے اللہ رحمت نازل فرما محمد پر اور آل محمد
پر جیسے رحمت نازل فرمائی ابراہیمؑ اور
آل ابراہیمؑ پر بیشک تو تعریف والا اور
بزرگی والا ہے اے اللہ برکت نازل فرما
محمد پر اور آل محمد پر جیسے تو نے برکت نازل
فرمائی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر بیشک
تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔

اے ابو داؤد شریف، ۷۷ متفق علیہ، اس سلسلہ کی احادیث و روایات، درود کی حقیقت،
اس کے خصائص اور فوائد و نکات کے لئے علامہ ابن قیمؒ کی "جلاء الأفهام فی الصلاة
والسلام علی خیر الانام" اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی "فضائل درود شریف"
ملاحظہ فرمائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند جامع دعائیں

ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند جامع دعائیں، علامہ ابن قیمؒ کی ”الوابل الصیب“ سے نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع دعائیں پسند فرماتے تھے، اور طویل دعاؤں سے گریز فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے:-

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ	اے اللہ میں آپ سے ہر خیر کا سائل ہوں
مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ	جسے میں جانتا ہوں، اور جسے نہیں جانتا
مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ	اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں ہر شر سے
أَعْلَمْ	جسے میں جانتا ہوں، اور جسے میں نہیں

جانتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لگا رہتا تھا، اور بکثرت آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنتا تھا:-

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ	اے میرے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں
وَالْجُوعِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْخُبْنِ	فقر سے اور غم سے اور کم ہمتی اور کاپی و بزدلی
وَصَلَحِ الدَّيْنِ وَعَلَبَةِ الرِّجَالِ	سے اور بخیلی و کنجوسی اور قرضہ کے بارے
	اور لوگوں کے دباؤ سے۔

اے مندا احمدؒ اور نسائی شریف۔ رحمہما تعفی علیہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ دعا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ
الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ
الدَّجَالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ
الْمَيَا وَالْمَحَابِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
مِنَ الْمَأْثِمِ وَالْمُخْرِمِ۔
اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں
عذاب قبر سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں
دجال کے فتنے سے اور آپ کی پناہ چاہتا
ہوں موت و زندگی کے فتنے سے اور
آپ کی پناہ چاہتا ہوں گناہ سے اور
قرض کے بوجھ سے۔

کسی کہنے والے نے کہا کہ آپ مغرم (قرض کے بوجھ) سے بہت پناہ مانگتے ہیں۔
آپ نے فرمایا کہ۔

إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غُرِمَ حَدَّثَ كَذِبَ
وَوَعْدَ فَأَخْلَفَ۔
آدمی جب قرض کے بوجھ سے لدھاتا
ہے تو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے
وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ
يَقْتُلَنِي وَيَحُولَ عَافِيَتِي، وَمِنْ
فَجَاءَةٍ نَفْسِيكَ، وَمِنْ جَمِيعِ
اے اللہ میں آپ کی نعمت کے ختم ہو جانے
آپ کی عافیت کے چھن جانے آپ کے
اچانک غضب سے اور آپ کی تمام

اے متفق علیہ۔

مَحَطَاتُ

ناراضیوں سے آپ کی پناہ چاہتا

ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اگر مجھے لیلۃ القدر نصیب ہو جائے، تو میں کیا دعا کروں؟ آپ نے فرمایا، یہ کہو:-

اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوفٌ مُجِيبُ الْعُقُوفَاتِ
عَنِّي ۝

اے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے
معاف کرنے کو پسند کرتا ہے تو مجھے

معاف کر۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جس چیز کا مانگنا پسند ہے وہ "عافیت" ہے۔

ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان ہونے والے کو یہ تلقین فرماتے تھے:-

اللَّهُمَّ اهْدِنِي وَلِرِزْقِي وَخَافِي
وَارْحَمْنِي ۝

اے اللہ مجھے ہدایت اور رزق دے
اور عافیت نصیب فرما، اور مجھ پر

رحم فرما۔

بُسر بن ارطاة رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے:-

اے سلم شریف ۝ ترمذی شریف ۝ متدرک حاکم ۝ سلم شریف۔

اللَّهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ
كُلِّهَا وَاجْزِنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا
وَعَذَابِ الْآخِرَةِ ۝
اے اللہ تمام کاموں میں ہمارا انجام بخیر
فرما، اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے
عذاب سے پناہ نصیب فرما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ بھرپور دعا کرو؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہاں
یا رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپؐ نے فرمایا کہ کہو:-

اللَّهُمَّ احْتِنَا عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ
وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۝
اے اللہ اپنی یاد، اپنے شکر اور اپنی اچھی
عبادت کی ہمیں طاقت و قوت عطا فرما۔

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہہ لیا
کرے، آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو یہ دعا بھی تعلیم فرمائی:-

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الطَّيِّبَاتِ فَكُلَّ
الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ، وَهُبَّ
الْمَسَاكِينِ، وَأَنْ تَتُوبَ عَلَيَّ وَتَغْفِرَ لِي
وَتَرْحَمَنِي، وَإِذَا ارْتَدَّتْ فِي خَلْقِكَ
فِتْنَةٌ فَفَجِّئْنِي إِلَيْكَ مِنْهَا غَيْرَ مُقْتُونٍ
اللَّهُمَّ وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَهُبَّ مَنْ
يُحِبُّكَ وَهُبَّ هَمَلٌ يُبَلِّغُنِي إِلَيْكَ
حُبَّكَ ۝
اے اللہ ہم آپؐ سے اچھی چیزوں اور
نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے
اور مسکینوں سے محبت کرنے کا سوال
کرتے ہیں اور اس کا کہ آپؐ میری توبہ
قبول فرمائیے اور میرے ساتھ مغفرت اور رحم کا
معاہدہ کیجئے، اور جب آپؐ اپنی مخلوق کے بارے
میں کسی فتنہ کا ارادہ فرمائیں تو اس سے اپنی طرف
ہمیں اس طرح نکال لیجئے کہ ہم فتنہ میں مبتلا

اے منداحمد ۝ متدرک حاکم ۝ ترمذی شریف ۝ متدرک حاکم۔

نہ ہوں اور اے الشہم آپ کی محبت آپ سے
محبت کرنے والے کی محبت اور اس عمل کی
محبت مانگتے ہیں جو آپ کی محبت تک لے جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ان کو یہ دعا کرنے کا حکم دیا تھا:-

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ	اے الشہم آپ سے تمام کے تمام خیر کے
عَاجِلِهِ وَآخِرِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ	طالب میں جو جلد ہی لے اور جو دیر سے لے
وَمَا لَمْ أَعْلَمْ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ	جو ہم جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے اور
الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآخِرِهِ	آپ کی پناہ چاہتے ہیں ہر شر سے جلدی
مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ وَأَسْأَلُكَ	آنے والے اور دیر سے آنے والے اور جو ہم
الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ	جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے اور آپ
أَوْ عَمَلٍ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا	سے جنت کے طالب ہیں اور اس قول
قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ	و عمل کے جو جنت سے قریب کرے اور
وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَ عَبْدُكَ	آپ کی پناہ چاہتے ہیں آگ سے اور
وَرَسُولُكَ مُحَمَّدٌ، وَأَسْأَلُكَ مَا	اس قول و عمل سے جو اس کے قریب
قَضَيْتَ لِي مِنْ أَمْرٍ أَنْ تَحْصَلَ	لے جائے اور آپ سے اسی خیر میں سے
عَاقِبَتُهُ رُشْدًا	ہم (بھی) مانگتے ہیں جس کو آپ کے
	بندہ اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اے مستدرک حاکم۔

مانگتے ہیں اور آپ سے یہ درخواست

کرتے ہیں کہ آپ ہمارے لئے جو فیصلہ

فرمائیں اس کا انجام بہتر فرماویں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کی

یہ دعا بھی نقل کرتے ہیں :-

اللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ

اے اللہ ہم آپ سے آپ کی رحمت

رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ

و مغفرت کے اسباب اور ہر گناہ سے

وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ، وَالْفَنَاءَ

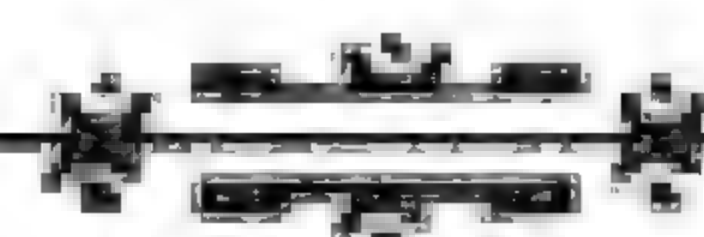
حفاظت اور ہر نیکی کے حصول اور

مِنْ كُلِّ بَرٍّ، وَالْقَوْدَ بِالْجَنَّةِ، وَالنَّجَاةَ

جنت سے سرفرازی اور آگ سے

مِنَ النَّارِ۔

خلاصی کے طالب ہیں۔



اے مستدرک حاکم - مستون دعاؤں کی حکمتوں اور اسرار و نکات کے مطالعہ کے لئے مؤلف کا

رسالہ "سیرت مجددی دعاؤں کے آئینہ میں" دیکھیے۔

راہِ خدا میں جہاد

دین اور سیرت نبوی میں جہاد کا مقام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت، خدا تعالیٰ کی صحیح اور کامل و مکمل معرفت، صحیح اور ثابت شدہ عقائد پر ایمان، اور ان قلبی، بدنی، اور مالی عبادات ہی پر منحصر نہیں تھی، جو قرب الہی اور محبت و رضائے خداوندی کا ذریعہ ہیں، بلکہ ان سب امور کے ساتھ جہاد بھی آپ کے دین کی خصوصیات اور دعوت کے ارکان اور پسندیدہ اعمال میں سے تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهِ ۚ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝
(سورۃ توبہ - ۳۳ - سورۃ صف - ۹)

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت
اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس دین کو
دنیا کے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ
کافرنا خوش ہی ہوں۔

اور اس کا ارشاد ہے :-

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ
فِتْنَةٌ ۚ وَتَكُونَ الدِّينُ

اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ
فتنہ (یعنی کفر کا زور اور دبدبہ) باقی

کَلَّمَ اللَّهُ ۚ (سورۃ انفال - ۳۹) نہ ہے اور دین سب خدا ہی کا ہو گا

علامہ ابن قیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں :-

”جہاد چونکہ ایوان اسلام کا بلند کنگرہ ہے اور جنت میں مجاہدین کا اسی طرح بلند مقام ہے جس طرح دنیا میں بھی ان کی رفعت و بلندی حاصل ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ذرۃ علیا پر فائز اور اس کے تمام انواع و اقسام پر محیط تھے آپؐ نے راہ خدا میں اپنے قلب و جگر، دعوت و تبلیغ، اور سیف و سان سے جہاد کا حق ادا کر دکھایا، آپؐ کے تمام اوقات قلبی، سانی اور جسمانی جہاد کے لئے وقف تھے اسی لئے دنیا میں آپؐ سب سے بلند و بالا تھے اور خدا کے ہاں سب سے زیادہ مقرب و محبوب تھے اور کیونکہ (خدا کے دشمنوں سے) خارجی جہاد، داخلی جہاد (راہِ حق میں اپنے نفس سے جہاد کی) ایک شاخ ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”مہاجر و ہاجرہ جو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے“ اس لئے نفس کے ساتھ جہاد خارجی دشمن سے جہاد پر مقدم اور اس کی اساس ہے۔“

جہاد کے اقسام اور ان کی مشروعیت کی ترتیب

جہاد کی چار قسمیں ہیں :- (۱) نفس سے جہاد (۲) شیطان سے جہاد (۳) کفار سے جہاد (۴) منافقین سے جہاد اور چاروں قسم کے جہاد کے الگ الگ درجات و مراتب بھی ہیں، حدیث میں آیا ہے :-

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُجِدْ جَوَّاسِ حَالٍ فِي مَرْجَائِهِ كَمَا اس نَے

نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ مَاتَ عَلَى شُبَّةٍ جِهَادُہ نہ کیا ہوا، اور نہ جہاد کی تمنا و ارادہ

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے جو جہاد کے تمام درجات و مراتب کا جامع ہو، نبی خاتم۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کامل ترین اور خدا تعالیٰ کے مقرب ترین بندہ تھے، کیونکہ آپ نے جہاد کے تمام اقسام و مراتب کی تکمیل فرمائی، اور راہ خدا میں جہاد کا حق ادا کر دیا، اور بخت کی ابتداء سے وفات تک جہاد میں مشغول رہے، دعوت و تبلیغ میں سرگرم عمل، اور باطل طاقتوں سے برسر پیکار رہے، رات دن خفیہ و علانیہ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے تھے، اور آپ اور آپ کے صحابہ سخت اذیتیں اور تکلیفیں جھیلتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے کچھ صحابہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے، پھر وہ وقت بھی آیا جب آپ خود بنفس نفیس اور آپ کے صحابہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مامور ہوئے، مدینہ منورہ میں جب استقرار ہو گیا، اور اللہ نے اپنی خاص مدد اور عون بنو کے ذریعہ آپ کی نصرت فرمائی، اور ان کے دل آپس میں جوڑ دیئے، انصار اور لشکر اسلام نے آپ کی پشت پناہی کی، اپنی جانیں آپ پر نثار کر دیں، اور آپ کی محبت کو باپ دادوں، بیٹوں پوتوں اور شوہروں بیویوں پر ترجیح دی، اور آپ انھیں ان کی اپنی ذات سے زیادہ محبوب اور عزیز ہو گئے، اس وقت عربوں اور یہودیوں نے متفقہ دشمنی کی ٹھان لی، اور وہ متحدہ طور پر مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آرا اور برسر پیکار ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صبر، اور عفو و درگزر کا حکم فرماتا رہا، یہاں تک کہ ان کی جمعیت مضبوط ہو گئی، اور ان کی ایک طاقت ہو گئی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے قتال کی اجازت مرحمت فرمائی، لیکن فرض نہیں کیا، اور فرمایا:-

اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنفُسِهِمْ جِنِّ سُلَاطَانٍ (خواہ مخواہ) لڑائی

ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ

لَقَدِيرٌ (الحج - ۲۹) بھی لڑیں کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے

اور خدا (ان کی مدد کرے گا) وہ یقیناً

ان کی مدد پر قادر ہے۔

پھر ان لوگوں سے جنگ کرنا فرض کر دیا گیا جو جنگ کریں اور جو جنگ نہ کریں
ان سے جنگ کرنا فرض نہیں قرار دیا گیا، ارشاد فرمایا:-

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ

يُقَاتِلُونَكُمْ (البقرہ - ۱۹۰) اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی

راہ میں ان سے لڑو۔

اس کے بعد تمام مشرکین سے قتال فرض قرار دے دیا گیا، اور ارشاد ہوا:-

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الانفال - ۳۹) اور دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔

جہاد کی فضیلت اور اس کے آداب و منافع

صحیح روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال
نہ ہوتا تو میں کسی شکر سے پیچھے نہ رہتا، اور میری یہ تنہا ہے کہ میں خدا کے راستے میں شہید
کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید
کیا جاؤں۔

اور فرمایا کہ: اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی

روزہ دار خدا کے حضور کھڑا نماز پڑھ رہا ہے اور خدا کی آیتیں تلاوت کر رہا ہے نہ روزہ سے ٹھکتا ہے نہ نماز سے یہاں تک کہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والا (میدانِ جہاد سے) واپس آجائے؟

اور فرمایا: "خدا کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام کو نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے" اور فرمایا کہ: "جنت کے دروازے تلوار کے سایوں کے نیچے ہیں" اور فرمایا: "راہِ خدا میں جس کے دونوں قدم گرد آلود ہو جائیں وہ آگ پر حرام ہو جائیں گے" اور فرمایا: "راہِ خدا کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندہ کے چہرے پر جمع نہیں ہوگا" اور فرمایا: "خدا کی راہ میں مورچہ پرچہ رہنا دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے" اور فرمایا: "اسلام کی چوٹی جہاد ہے" اور جب جنگ میں سخت رن پڑتا تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہارا لیتے تھے اور آپ دشمن سے سب سے زیادہ قریب ہوتے تھے۔

آپ عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانے سے منع فرماتے تھے اور جب کوئی شکر بھجیے تو اہل شکر کو خدا کے خوف و تقویٰ کی وصیت فرماتے اور فرماتے: "خدا کے نام سے خدا کی راہ میں چل پڑو، اللہ کے منکروں سے جنگ کرو، اور شلہ نہ کرنا، غداری و خیانت نہ کرنا، کسی بچہ کو قتل نہ کرنا، اور جب کسی فوج و لشکر کا کسی کو امیر بناتے تو اور وصیتوں کے ساتھ ایک وصیت یہ بھی ہوتی کہ اپنے مشرک دشمن کا جب سامنا ہو تو انھیں تین چیزوں کی دعوت دو، ان میں سے جو بھی قبول کر لیں تو تم بھی اسے قبول کر لو، اور اپنے ہاتھ ان سے روک لو پھر ان کو اپنے علاقہ سے دارالمہاجرین منتقل ہونے کی دعوت دو، اور ان کو یہ بتادو کہ اگر وہ وہاں منتقل ہو گئے تو ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں، اور ان کی ذمہ داریاں بھی مشرک ہوں گی" اور اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں تو بتادو کہ ان کا معاملہ بادیہ میں رہنے والے

مسلمانوں (اعراب) کا سا ہوگا، خدا کے وہ احکام جو تمام مومنوں سے متعلق ہیں ان کے بھی متعلق رہیں گے، اور مال غنیمت اور مال فیعی میں صرف اسی وقت ان کا حصہ ہوگا جب وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے، اور اگر وہ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوں تو ان کے ”جزیہ“ کا مطالبہ کرو، اگر اس کے لئے تیار ہو جائیں تو بس اب ان سے جنگ نہ کرو، اور اگر تیار نہ ہوں تو اللہ کے بھروسہ پر ان سے جنگ کرو۔“

آپ جنگوں میں لوٹ مار اور مُٹلہ کرنے سے منع فرماتے تھے، اور مال غنیمت میں خیانت (غلول) سے بہت سختی سے روکتے تھے، آپ یہ بھی فرماتے تھے: ”مسلمانوں کا عہد و پیمان ایک ہی ہے، کوئی معمولی سے معمولی مسلمان بھی کسی سے عہد کر سکتا ہے“ اور فرماتے کہ جو لوگ عہد توڑ دیتے ہیں (اور اس کا خیال نہیں رکھتے) دشمن کو ان پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کی تعداد ۲۷ ہے، اور دوسری جنگی کارروائیوں اور مہموں کی تعداد جن میں آپ بنفس نفیس شریک نہیں تھے، ۶۰ تک پہنچتی ہے، ان سب میں باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی، اور ان تمام غزوات و سرایا میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے بھیجے گئے، جتنا خون بہایا گیا، دنیا کی جنگوں کی پوری تاریخ میں ہمیں اس سے کم کوئی مقدار نظر نہیں آتی، ان تمام غزوات کے مقتولین کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ ^{۱۰۱۸} سے زیادہ نہیں، جس میں دونوں فریق

۱۔ سلم شریف بروایت سلیمان بن جریدہ عن اُبیہ مرفوعاً (طویل حدیث ہے)

۲۔ زخمی یا مقتول کے اعضاء کو کاٹنا، یا اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

۳۔ تلخیص از ”زاد المعاد“ ص ۲۹۲-۳۲۶ مع کچھ اضافوں کے۔

شامل ہیں، لیکن اس قلیل تعداد نے خونِ آدم کو جس ارزانی سے اور انسانیت کو جس بے عزتی اور بے آبروئی سے بچایا اس کا مکمل طور پر جائزہ لینا مشکل بلکہ نامکن ہے اس کے نتیجہ میں جزیرۃ العرب کے اطراف میں اس قدر امن و اطمینان کی فضا قائم ہو گئی کہ ایک مسافر خاتون حیرہؑ سے چلتی اور کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا ڈرنہ ہوتا، اسی کے ساتھ ساتھ جہاد و اسلام کی نشر و اشاعت اور خدا کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدا کے وحدہ لا شریک لہ کی بندگی، مذاہب و ادیان کے ظلم و انحراف سے اسلام کے سایہ عدل و انصاف اور دنیا کے دنیائے دنی کی تنگ نائیٹوں اور نفس پرستی کے قفس تنگ سے نکال کر آفاق و انفس کی لامحدود وسعتوں اور فضا کے ناپید اکنا میں منتقل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جہاد میری بعثت سے لے کر اس وقت تک قائم رہے گا کہ جب میری امت کا آخری گروہ دجال سے جہاد کرے گا، جہاد کو ظالموں کا ظلم ختم کر سکتا ہے نہ عادلوں کا عدلؑ اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر جہاد کا کوئی اثر نہ ہوگا، اس کی خدا تعالیٰ سے ملاقات اس حال میں ہوگی کہ (اس کا جسم) داغدار ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو اس حال میں مرجائے کہ اس نے جہاد نہ کیا ہو

لے مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے رحمۃ اللعالمین میں یہی تعداد لکھی ہے جو گہرے مطالعہ اور ذمہ دارانہ تحقیق پر مبنی ہے۔ لے حیرہ بادیۃ العراق کا ایک شہور شہر ہے، مقصد یہ ہے کہ جزیرۃ العرب کے ایک دور دراز گوشہ سے چل کر اطمینان کے ساتھ جاتی۔ لے جامع کبیر از علامہ سیوطی، بواسطہ دہلی و بروایت حضرت انسؓ۔ لے جامع کبیر از علامہ سیوطی بواسطہ دہلی و بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ لے ترمذی و ابوداؤد شریف۔

اور نہ جہاد کا خیال دل میں آیا ہو، وہ نفاق کے ایک حصہ کے ساتھ مرے گا۔^۱

جہاد۔ جب اپنے شرائط، احکام و آداب کے ساتھ ہو۔ بڑے خیر و برکت کا سرچشمہ، دنیا کے لئے سعادت اور پوری انسانیت کے لئے رحمت کا ذریعہ ہے، اور جب اس جہاد اسلامی کا سلسلہ منقطع اور موقوف ہو گیا، اور اس کی جگہ قوم و وطن کے نام پر داخلی جنگوں اور داخلی انقلابات نے لے لی، جن کا مقصد نہ رضائے الہی کا حصول تھا، نہ اعلاء کلمۃ اللہ اور نہ انسانیت کو جاہلیت، طاغوت اور نفس پرستی کے شکنجہ سے نکالنا اور ابدی سعادتوں سے ہم کنار کرنا، اسی وقت سے پوری دنیا جہاد کے فوائد و برکات سے محروم ہو گئی، مسلمان ساری دنیا میں رسوا ہو گئے، اور اپنی قدر و قیمت اور اپنا وزن کھو بیٹھے، اور یہ نبوی پیشین گوئی حروف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

”قرب ہے کہ قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح اپنے پیالہ پر کھانے والے ٹوٹتے ہیں، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ کیا ہماری تعداد اس وقت کم ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا نہیں! تمہاری تعداد بڑی ہوگی، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح جھاگ بن جاؤ گے، اور خدا تعالیٰ تمہارے دشمن کے دل سے تمہاری ہیبت اور خوف نکال دے گا، اور تمہارے

۱۔ البوداؤد شریف۔ ۲۔ ملاحظہ کیجئے ”صراطِ تقسیم“ کے دوسرے باب کی چوتھی فصل کا افادہ ۳۵

(۹۵-۹۶) نسخہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، لاہور۔ ۳۔ اس کا ایک نمونہ بیروت کا وہ المیہ ہے جو

اگست و ستمبر ۱۹۸۲ء میں پیش آیا، اور جس میں یہودیوں اور لبنانی عیسائیوں (فلاںجٹ) کے

ہاتھوں فلسطینیوں کا قتل عام، آبروریزی اور وہ سفاکی و درندگی کے نمونے سامنے آئے جس سے

آدم خور قبائل اور خونخوار جانور بھی شرمائیں اور اس کے مقابلہ میں عالم اسلام کی بے بسی اور عرب

حکومتوں کی بے گیتی و بے حسی ہے ”إِنِّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ“ (آل عمران - ۱۳)

دلوں میں وہیں ڈال دے گا کسی نے عرض کیا، حضورؐ وہیں سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا:
 "دنیا کی محبت اور موت سے نفرت ہے۔"

اور صحیح حدیث میں آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:-

إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ
 جَبْتُمْ سَوْدَ كَيْ سَاتِحِ خَرِيدٍ وَفِرْوَحَتِ
 أَذْنَابِ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ
 كَرْنِ لُكُوكِ، أَوْ رُكَايُوكِ كِي دَمِ كِبْرَءِ رَمُوكِ
 وَتَرَكَتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
 أَوْ كَهَيْتِي بَارِي مِثْلِ رَمُوكِ، أَوْ جِهَادِ
 ذُلًّا لَا يَنْتَرِهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى
 بَحْرِكُمْ
 سَلَّطَ كَرْنِ كَا، حَسْبُ كُوَا سِ وَقْتُ تَكِ
 نَ أَتَاهَا كَا، حَسْبُ تَكِ دِينِ كِي طَرِ
 وَابْسِ نَ أَجَاؤُ كِ.

جہاد صرف جنگ و قتال ہی پر (جو ضرورت کے وقت جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم اور
 افضل ترین نظر ہے) منحصر نہیں ہے، بلکہ ہر وہ کوشش جو اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کے غلبہ کی
 خاطر کی جائے جہاد ہے، حدیث پاک میں آتا ہے۔

"سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ یا ظالم حکمران کے سامنے حق و انصاف کی
 بات کہی جائے۔"

اسی طرح مسلمانوں کے لئے بالکل اس کی گنجائش نہیں ہے کہ اپنے ان دینی بھائیوں

لے سنن ابوداؤد، کتاب الملاحم۔ لے عینہ۔ اصلاً اسے کہتے ہیں کہ آدمی کوئی چیز متعین قیمت

پر فروخت کرے اس شرط پر کہ قیمت اتنی متعین مدت میں لے لی جائیگی، پھر اس خریدار سے وہی چیز

کم قیمت پر لے۔ (عینہ، سود کے لئے بھی بولا جاتا ہے)۔ لے ابوداؤد شریف۔

اور کمزور مظلوم مسلمانوں کے حالات سے چشم پوشی اختیار کر لیں، اور تغافل برتیں جو دنیا کے کسی گوشہ میں ظلم و بربریت، ذلت و اہانت، تعذیب و ایذا رسانی، اور طرح طرح کے سفاکانہ اور بہیمانہ مظالم کے نشانہ بنائے جاسکے ہوں، اور ان کا قصور صرف اتنا ہو کہ وہ مسلمان ہیں، مسلمانوں کی یہ مجبوری ذمہ داری ہے کہ اس صورت حال کو تبدیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، اور ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑنے والے ان مجرموں کو کم سے کم اپنی ناپسندیدگی، نفرت اور شدید بے چینی کا احساس دلائیں، کیونکہ صحیح حدیث میں آپ کا ارشاد گرامی ہے:-

تم مومنوں کو اپنی آپس کی شفقت،	تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحِيهِمْ
افت و محبت اور ہمدردی میں ایک جسم	وَتَوَادِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَشَلِّ
کی طرح پاؤں کے کہ جس کا ایک عضو اگر	الْجَسَدِ إِذَا اشْكَى عَضُوهُ تَدَاعَى
تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو سارے اعضاء	لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالشَّهْرِ وَالْحُمَى
بے خوابی اور بخار میں اس کا ساتھ	
دیتے ہیں۔	

اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:-

مسلمانوں کے حالات کی جو شخص فکر	مَنْ لَمْ يَهْتَمَّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ
نہ کرے، وہ ان میں سے نہیں۔	فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَلَهُ

۱۔ مسلم شریف، کتاب البر والصلة والآداب، و بخاری شریف، کتاب الأدب۔
۲۔ دیکھئے بیہقی کی "شعب الایمان"۔

تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس

بعثت محمدی صلی اللہ علیٰ صاحبہا وسلم کے مقاصد

اللہ تعالیٰ نے بعثت محمدی کے ابتدائی اور بنیادی مقاصد اور عظیم و اساسی فوائد قرآن پاک کی متعدد آیات میں ذکر فرمائے ہیں اس کا ارشاد ہے:-

لَمَّا أَرْسَلْنَا قِبْلَكَ رَسُولًا مِّنْكَ
يَتْلُو عَلَيْكَ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ
تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

(البقرہ - ۱۵۱)
جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے
تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو
ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں
پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور
دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں
بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

اور وہ فرماتا ہے:-

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ
فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ
ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے
جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے

وَالْحِكْمَةُ ۚ وَانْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَا يَفْقَهُونَ
مُضِلِّ مُبِينٍ ۝

اور ان کو پاک کرتے اور خدا کی کتاب
اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ
صریح گمراہی میں تھے۔

(آل عمران - ۱۶۴)

اور ارشاد ہے:-

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَانْ
كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَا يَفْقَهُونَ مُضِلِّ مُبِينٍ ۝
(الجمعة - ۲)

وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انھیں
میں سے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) پیغمبر
بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں
پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور خدا کی
کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور
اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی
میں تھے۔

دعوت نبوی اور بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائرہ مقاصد میں تہذیب
اخلاق اور تزکیہ نفس بڑا اہم مقام رکھتے ہیں اور قرآن کا اسلوب بیان یہ بتاتا ہے کہ
حکمت سے مراد بلند اخلاق اور اسلامی آداب ہی ہیں قرآن نے سورہ اسراء میں ان
اخلاق و آداب کے اصول اور بنیادی امور ذکر کرنے کے بعد مطلقاً ان کو "حکمت" سے
یاد کیا ہے ارشاد ہے:-

ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ
الْحِكْمَةِ

(لے پیغمبر) یہ ان (ہدایتوں) میں سے
ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری

طرف وحی کی ہیں۔

(الاسراء - ۳۹)

اور حضرت لقمان کی اخلاقی تعلیمات کے تذکرہ سے پہلے ارشاد ہے :-

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ
لِلَّهِ ۚ وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ
لِنَفْسِهِ ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ
حَمِيدٌ

اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی کہ خدا کا
شکر کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی
فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جو
ناشکری کرتا ہے تو خدا بھی بے پروا

(لقمان - ۱۲) اور سزاوار (حمد و ثنا) ہے۔

اور راہِ خدا میں احسان جتائے بغیر خرچ کرنے اور فقر و تنگ دستی سے نہ ڈرنے
اور خدا تعالیٰ پر توکل و اعتماد کرنے کی وصیت کے بعد ارشاد ہوتا ہے :-

يُحْيِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن
يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا
كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے
اور جس کو دانائی ملی، بیشک اس کو بڑی
نعت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ
قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

(البقرة - ۲۶۹)

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم مقصد کا جس کے لئے آپ کی بعثت
ہوئی تاکید و صبر کے الفاظ کے ساتھ تذکرہ فرمایا :-

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

میری بعثت ہی اس لئے ہوئی کہ میں مکام
اخلاق کو پائے تکمیل تک پہنچاؤں۔

اے سوطا امام مالکؒ، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ صحیح سندوں سے یہ حدیث متصل ہے جن کے حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابی راوی ہیں اور امام احمد نے سند میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحیح سند
یہ الفاظ نقل کئے ہیں "إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ" (نیک اخلاق کی تکمیل کے لئے میری بعثت ہوئی ہے)

اور آپ اخلاقِ کریمہ کا بہترین نمونہ، اور کامل ترین اسوہ تھے۔

ارشادِ قرآنی ہے:-

وَاتَّكَ نَعْلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ (تقلم ۴) اور اخلاق تمہارے بہت عالی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق کے بارے میں دریافت

کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:-

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ

آپ کے اخلاق معلوم کرنا ہو تو قرآن

دیکھو۔

یہ حکمت اور تزکیہ نفس رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کی صحبت بابرکت

اور ہم نشینی کا نتیجہ تھی، آپ ہی کے آغوش تربیت اور دامن عاطفت میں ایک ایسی نسل

پروان پڑھی، جو اعلیٰ اخلاق اور بہترین صفات سے مزین، اخلاقِ رذیلہ، برے عادات

و اطوارِ مذموم صفات، نفس کے شر و فتن، جاہلیت کے اثرات اور شیطان کے

مناظروں سے محفوظ تھی، اور خود قرآن ان کی استقامت، صلاح، اور تہذیب اخلاق

و تزکیہ نفس کے بلند مقام پر فائز ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا فِيكُمْ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ

تو یطیعکم فی کثیر من الامر لعلکم

وذلك الله حبب اليكم الايمان

و زينه في قلوبكم و ذكرنا اليكم

الفر و الفسوق و العصيات

اور جان رکھو کہ تم میں خدا کے پیغمبر ہیں اگر

بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہاں بیا کریں

تو تم شکل میں پڑ جاؤ، لیکن خدا نے تم کو

ایمان عزیز بنا دیا، اور اس کو تمہارے

دلوں میں سجا دیا، اور کفر اور گناہ اور

أُولَٰئِكَ هُمُ الرُّشِدُوقَ هَ فَضْلًا نافرمانی سے تم کو سزا کر دیا، یہی لوگ
مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً مِّنَ اللَّهِ هَلِيْمٌ راہ ہدایت پر ہیں.... خدا کے فضل
حَكِيْمٌ اور احسان سے، اور خدا جاننے والا

(الحجرات - ۴-۸) اور حکمت والا ہے۔

ربان نبوت نے بھی اس کی شہادت دی ہے، آپ نے فرمایا:-

خیر الناس قریٰ سب سے اچھے لوگ میرے دور کے لوگ ہیں۔

صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بڑی بلاغت کے ساتھ
جماعت صحابہ کا تعارف کرایا ہے، مختصر لیکن ہمہ گیر اور معنی خیز الفاظ میں ان کا اس طرح
اعتراف کیا ہے:-

أَبْرَأُ النَّاسِ قُلُوبًا، وَأَعَمُّهُمْ دل کے پاک، علم کی گہرے تکلفات
عِلْمًا، وَأَقْلَمُهُمْ نَطْقًا. سے بری۔

وہ اسلام کی فصل بہار نبوت کی آدم گری و مردم سازی کا نمونہ، اور تربیت
و تزکیہ نبوی کا اعجاز تھے۔

www.KitaboSunnat.com

انسان سازی کی ایک دائمی کارگاہ

جب اس صحبت نبوی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، تو قرآن پاک، حدیث شریف اور سیرت طیبہ اس خلا کو
پُر کرتے رہے، فقہ باطن، حکمت، قلوب کے امراض، نفس کے شرور اور شیطان کے
لہ بخاری شریف۔

مکائد کے علاج کا ایک دائمی اور عالمگیر مطب اور دارالشفاعت تھا۔

لیکن مختلف سیاسی، اخلاقی و معاشی عوامل کے اثر اور مرور زمانہ سے حدیث کے تربیتی اور اخلاقی پہلو اور اس کے بنیادی طرز فہم و تفہیم، شرح و تدریس پر وہ طرز غالب آتا چلا گیا، جو اس وقت کے معاشرہ کے لئے زیادہ پوشش، لوگوں کی نظریں زیادہ وقعت پیدا کرنے والا، اور مناصب اور عہدوں پر فائز ہونے میں مدد دینے والا تھا، حدیث کی تدریس و تفہیم اثبات مذاہب اور ان کے لئے دلائل فراہم کرنے اور سیرت تاریخی اور علمی بحثوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔

لیکن اُس کے باوجود حدیث و سیرت (قرآن مجید کے بعد) تہذیبِ خلاق، تزکیہ نفس، دلوں کے رنگ کی صفائی، اور انسانی نفوس کے آئینہ کو صیقل کرنے کا سب سے مؤثر اور سہل العمل ذریعہ ہے۔

حدیث کی کتابوں میں جو مواد پایا جاتا ہے، وہ دو قسم کا ہے، ایک کا تعلق اعمال، ان کی شکلوں، ہیئتوں، اور محسوس احکام جیسے قیام و قعود، رکوع و سجود، تلاوت و تسبیح، دعاؤں، اذکار و اوراد، دعوت و تبلیغ، جہاد و غزوات، صلح و جنگ میں دوست و دشمن کے ساتھ معاملہ، اور دوسرے احکام و مسائل سے ہے، اور دوسری قسم ان باطنی کیفیات سے متعلق ہے، جو ان اعمال کی ادائیگی کے ساتھ پائی جاتی تھیں، اور ان احکام کی اصل غرض و غایت ہیں، ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص و احتساب، صبر و توکل، زہد و استغناء، ایثار و سخاوت، ادب و حیاء، خشوع و خضوع، انابت و تضرع، دعا کے وقت دل شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الہی اور دیدار کا شوق، اعتدال فطرت، سلامتی ذوق، مخلوق پر رحمت و شفقت، کمزوروں کے ساتھ ہمدردی،

احساس کی لطافت، جذبات کی پاکیزگی، جود و سخا، تحمل و بردباری، تواضع و خاکساری، شجاعت و بہادری، خدا کے لئے محبت و نفرت، احسان و نیکی، اور شرافت و انسانیت کی باریک سے باریک ترا و نمازک ترین شکلیں، برا معاملہ کرنے والے سے عفو و درگزر، قطع تعلق کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی، اور دینے والے کے ساتھ عطا و بخشش کا معاملہ اور اس طرح کی بہت سی کیفیات ہیں، جو دونوں اور مثالوں کے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں، اور مشاہدہ، یا خبر متواتر کے بغیر ان کی تصدیق مشکل ہے۔

اس لئے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جامع اوصاف کریمہ، جو ان حضرات کے بیان کئے ہوئے ہیں، جو آپ سے سب سے زیادہ قریب، اور آپ کی خلوت و جلوت، اجتماعی، انفرادی، اور عائلی زندگی سے بخوبی واقف تھے، اور جن کی نظر نفسیات انسانی، اور اخلاق کی باریکیوں پر بہت گہری تھی، یہاں ذکر کرتے ہیں، پھر مختصر آپ کے اخلاق و شمائل ذکر کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جامع اور بلیغ وصف

ذیل میں ہم صرف دو شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں، ایک ہند بن ابی ہالہ کی (جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فرزند اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ماموں ہیں) شہادت اور دوسری حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و شمائل کے بارے میں دی ہے:

ہند بن ابی ہالہ کہتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت آخرت کی فکر میں اور امور آخرت کی

سچ میں رہتے اس کا ایک تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپ کو چین نہیں ہوتا تھا، اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے، بلا ضرورت کلام نہ فرماتے، گفتگو کا آغاز فرماتے تو دہن مبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا فرماتے، اور اسی طرح اختتام فرماتے، آپ کی گفتگو اور بیان بہت صاف و واضح اور دو ٹوک ہوتا، نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی، نہ زیادہ اختصار، آپ نرم مزاج و نرم گفتار تھے، درشت خوا اور بے مروت نہ تھے، نہ کسی کی اہانت کرتے تھے، اور نہ اپنے لئے اہانت پسند کرتے تھے، نعمت کی بڑی قدر کرتے اور اس کو بہت زیادہ جانتے خواہ کتنی ہی قلیل ہو، (کہ آسانی سے نظر بھی نہ آئے) اور اس کی بُرائی نہ فرماتے، کھانے پینے کی چیزوں کی بُرائی کرتے نہ تعریف، دنیا اور دنیا سے متعلق جو بھی چیز ہوتی، اس پر آپ کو کبھی غصہ نہ آتا، لیکن جب خدا کے کسی حق کو پا مال کیا جاتا تو اس وقت آپ کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہ سکتی تھی، یہاں تک کہ آپ اس کا بدلہ لے لیتے، آپ کو اپنی ذات کے لئے غصہ نہ آتا، نہ اس کے لئے انتقام لیتے، جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے، جب کسی امر پر تعجب فرماتے تو اس کو ہلٹ دیتے، گفتگو کرتے وقت داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ملاتے، غصہ اور ناگواری کی بات ہوتی تو رٹے اور اس طرف سے بالکل پھر لیتے

۱۔ یعنی مشکروں کی طرح بے توہمی و بے نیازی کے ساتھ اودھ کٹے الفاظ استعمال نہ فرماتے۔

۲۔ یہاں "المہین" کا لفظ آیا ہے جو "میم" پر صمد اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے اگر "مہین" مراد یا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کی اہانت آپ نہ فرماتے تھے اور اگر "مہین" ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ آپ اپنی ذلت و پستی پسند نہ فرماتے تھے، مطلب یہ ہے کہ نہ درشت فوج تھے، نہ کمزور طبیعت کے مالک تھے کہ ہر چیز کو ارا فرما لیتے، بلکہ ہدیت و رعب اور جلال و وقار کے مختلف پہلوؤں کے جامع تھے۔

اور اعراض فرماتے، خوش ہوتے تو نظریں جھکا لیتے، آپ کا ہنسنا زیادہ تر تبسم تھا جس سے صرف آپ کے دندان مبارک جو بارش کے اولوں کی طرح پاک و شفاف تھے ظاہر ہوتے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کو علم و واقفیت کے بہترین ذرائع و مواقع حاصل تھے، اور جو قریب ترین اشخاص میں سے تھے، اور اسی کے ساتھ وصف نگاری اور نظر کشی میں بھی ان کو سب سے زیادہ قدرت تھی، آپ کے اوصاف اس طرح بیان کرتے ہیں:-

”آپ طبعاً بدکلامی اور بے حیائی و بے شرمی سے دور تھے، اور تکلفاً بھی ایسی کوئی بات آپ سے سرزد نہیں ہوتی تھی، بازاروں میں آپ کبھی آواز بلند نہ فرماتے، بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیتے، بلکہ عفو و درگزر کا معاملہ فرماتے، آپ نے کسی پر بھی دست درازی نہ فرمائی، سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو، کسی خادم یا عورت پر آپ نے کبھی ہاتھ نہ اٹھایا، میں نے آپ کو کسی ظلم و زیادتی کا انتقام لینے ہوئے بھی نہیں دیکھا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ ہو، اور اس کی حرمت و ناموس پر آنچ نہ آئے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا، اور اس کے ناموس پر حرج آتا، تو آپ اس کے لئے ہر شخص سے زیادہ غصہ ہوتے، دو چیزیں سلنے ہوں تو ہمیشہ آسان چیز کا آپ انتخاب فرماتے، جب دولت خانہ پر تشریف لاتے تو عام انسانوں کی طرح نظر آنے، اپنے کپڑوں کو صاف کرتے، اکبری کا دودھ دیتے، اور اپنی سب ضرورتیں خود انجام دے لیتے۔

اپنی زبان مبارک محفوظ رکھتے، اور صرف اسی چیز کے لئے کھولتے جس سے آپ کو کچھ سروکار ہوتا، لوگوں کی دلداری فرماتے اور ان کو متنفر نہ فرماتے، کسی قوم و برادری کا معزز شخص آتا تو اس کے ساتھ اکرام و اعزاز کا معاملہ فرماتے، اور اس کو اچھے اور اعلیٰ عہدہ پر مقرر فرماتے، لوگوں کے بارے میں محتاط تبصرہ کرتے، بغیر اس کے کہ اپنی بشارت

اور اخلاق سے ان کو محروم فرمائیں، اپنے اصحاب کے حالات کی برابر خبر رکھتے، لوگوں سے لوگوں کے معاملات کے بارے میں دریافت کرتے رہتے۔

اچھی بات کی اچھائی بیان فرماتے اور اس کو قوت پہنچاتے، بُری بات کی برائی کرتے، اور اس کو کمزور کرتے، آپ کا معاملہ معتدل اور یکساں تھا، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا تھا، آپ کسی بات سے غفلت نہ فرماتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں دوسرے لوگ بھی غافل نہ ہونے لگیں، اور اکتا جائیں، ہر حال اور ہر موقعہ کے لئے آپ کے پاس اس حال کے مطابق ضروری سامان تھا، نہ حق کے معاملہ میں کوتاہی فرماتے، نہ حد سے آگے بڑھتے، آپ کے قریب جو لوگ رہتے تھے، وہ سب اچھے اور منتخب ہوتے تھے، آپ کی نگاہ میں سب سے زیادہ افضل وہ تھا، جس کی خیر خواہی اور اخلاق عام ہو، سب سے زیادہ قدر و منزلت اس کی تھی، جو غم خواری و ہمدردی، اور دوسروں کی مدد و معاونت میں سب سے آگے ہو، خدا کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہوتے، اور خدا کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھتے جبکہ تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اسی جگہ تشریف رکھتے، اور اس کا حکم بھی فرماتے، اپنے حاضرین مجلس اور ہم نشینوں میں ہر شخص کو (اپنی توجہ اور التفات میں) پورا حصہ دیتے، آپ کا شریک مجلس یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر آپ کی نگاہ میں کوئی اور نہیں ہے، اگر کوئی شخص آپ کو کسی غرض سے بٹھالیتا، یا کسی ضرورت میں آپ سے گفتگو کرتا تو نہایت صبر و سکون سے اس کی پوری بات سنتے، یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنی بات پوری کر کے رخصت ہوتا، اگر کوئی شخص آپ سے کچھ سوال کرتا، اور کچھ مدد چاہتا تو بلا اس کی ضرورت پوری کئے، واپس نہ فرماتے، یا کم از کم نرم و شیریں لہجہ میں جواب دیتے، آپ کا حسن اخلاق تمام لوگوں کے لئے وسیع اور عام تھا، اور آپ ان کے حق میں باپ ہو گئے تھے، تمام لوگ

حق کے معاملہ میں آپ کی نظر میں برابر تھے، آپ کی مجلس علم و معرفت، جیسا و شرم اور صبر و امانت داری کی مجلس تھی، نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں، نہ کسی کے عیوب بیان کئے جاتے تھے، نہ کسی کی عزت و ناموس پر حملہ ہوتا تھا، نہ کمزوریوں کی نشہیر کی جاتی تھی، سب ایک دوسرے کے مساوی تھے، اور صرف تقویٰ کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی تھی، اس میں لوگ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ رحم دلی اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے، حاجت مند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، مسافر اور نووارد کی حفاظت کرتے، اور اس کا خیال رکھتے تھے، وہ کہتے ہیں:-

”آپ ہمہ وقت کشادہ رو، اور انبساط و بشارت کے ساتھ رہتے تھے، بہت نرم اخلاق اور نرم پہلو تھے، نہ سخت طبیعت کے تھے، نہ سخت بات کہنے کے عادی، نہ چلا کر بولنے والے، نہ عایانہ اور متبذل بات کرنے والے، نہ کسی کو عیب لگانے والے، نہ تنگ دل، بخیل، جو بات آپ کو پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے، (یعنی اس کو نظر انداز کر دیتے اور گرفت نہ فرماتے) اور صراحتاً... اسے مایوس بھی نہ فرماتے، اور اس کا جواب بھی نہ دیتے، مین باتوں سے آپ نے اپنے کو بالکل بچا رکھا تھا، ایک جھگڑا، دوسرے تکبر اور قسیرے غیر ضروری اور لایعنی کام، لوگوں کو بھی مین باتوں سے آپ نے بچا رکھا تھا، نہ کسی کی برائی کرتے تھے، نہ اس کو عیب لگاتے تھے، اور نہ اس کی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے، اور صرف وہ کلام فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی، جب

لے یعنی جلد بہرہ بان ہو جانے والے، بہت لطف و کرم والے، اور بہت آسانی سے درگزر کرنے والے تھے، یہ بھی آتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کسی سے نزاع نہیں فرماتے تھے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سکون و وقار اور خشوع و خضوع ہے۔

گفتگو کرتے تھے تو شرکاء مجلس ادب سے اس طرح سر جھکا لیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں مٹھی ہوئی ہیں، جب آپ خاموش ہوتے تب یہ لوگ بات کرتے، آپ کے سامنے کبھی نزاع نہ کرتے، اگر آپ کی مجلس میں کوئی شخص گفتگو کرتا تو بقیہ سب لوگ خاموشی سے سنتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا، آپ کے سامنے ہر شخص کی گفتگو کا وہی درجہ ہوتا، جو ان کے پہلے آدمی کا ہوتا (کہ پورے اطمینان سے اپنی بات کہنے کا موقع ملتا، اور اسی قدر دانی اور اطمینان کے ساتھ اسے سنا جاتا) جس بات سے سب لوگ ہنستے اس پر آپ بھی ہنستے، جس سے سب تعجب کا اظہار کرتے آپ بھی تعجب فرماتے، مسافر اور پردیسی کی بے تمیزی اور ہر طرح کے سوال کو صبر و تحمل کے ساتھ سنتے، یہاں تک کہ آپ کے اصحاب کرام ایسے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے (تاکہ آپ پر کوئی بار نہ ہو) آپ فرماتے تھے کہ ”تم کسی حاجت مند کو پاؤ تو اس کی مدد کرو“ آپ مدح و تعریف اسی شخص کی قبول فرماتے، جو حد اعتدال میں رہتا، کسی کی گفتگو کے دوران کلام نہ فرماتے، اور اس کی بات کبھی نہ کاٹتے، ہاں اگر وہ حد سے بڑھنے لگتا تو اس کو منع فرما دیتے، یا مجلس سے اٹھ کر اس کی بات قطع فرما دیتے۔

آپ سب سے زیادہ فراخ دل، کشادہ قلب، راست گفتار، نرم طبیعت، اور معاشرت و معاملات میں نہایت درجہ کریم تھے، جو پہلی بار آپ کو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، آپ کی صحبت میں رہتا، اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپ کا فریفتہ اور دلدادہ ہو جاتا، آپ کا ذکر خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپ سے قبل میں نے آپ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپ کے بعد، صلے اللہ علی نبینا و سلم۔

لے یعنی جس وحکت کہ کہیں بیش سے چڑیاں نہ اڑ جائیں، لے اقتباس ازہ شامل ترمذی منقول ازہ نبی رحمت

آپ کے اخلاق عالیہ پر ایک نظر

”آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فراخ دل، نرم طبیعت اور خاندانی لحاظ سے سب سے زیادہ محترم تھے اپنے اصحاب کرام سے الگ تھلگ نہ رہتے تھے بلکہ ان سے پورا میل جول رکھتے تھے ان سے باتیں کرتے، ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی اور خوش مذاقی کے ساتھ پیش آتے، ان بچوں کو اپنی گود میں بٹھاتے، غلام اور آزاد، باندی، مسکین اور فقیر سب کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے، خواہ وہ شہر کے آخری سرے پر ہوں، عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے، آپ کو صحابہ کرام کی مجلس میں بھی پر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا، تاکہ اس کی وجہ سے کسی کو تنگی و دشواری نہ ہو، آپ کے صحابہ کرام ایک دوسرے سے اشعار سنتے سناتے، اور جاہلیت کی بعض باتوں اور واقعات کا تذکرہ کرتے تو آپ ساکت رہتے یا تبسم فرمادیتے، آپ نہایت درجہ نرم دل محبت کرنے والے اور لطف و عنایت کا پیکر تھے، اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے میرے دونوں بیٹوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) کو بلاؤ، وہ دوڑتے ہوئے آتے تو آپ ان دونوں کو پیار کرتے، اور ان کو اپنے سینہ سے لگا لیتے، آپ کے ایک نواسے کو آپ کی گود میں اس حال میں دیا گیا کہ اس کی سانس اکھڑ چکی تھی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، سعد نے عرض کیا، یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ رحم ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا۔“

لے روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (البو نعیم: الجلیہ)

۲۷ ترمذی، باب مناقب الحسن و حسین رضی اللہ عنہما۔

اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے۔

جب بدیوں کے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مشکیں گٹھیں اور رسول اللہ ﷺ کی کراہ سنی تو آپ کو عین نہیں آئی، جب انصار کو یہ بات معلوم ہوئی، تو انھوں نے ان کی مشکیں کھول دیں اور یہ خواہش کی کہ ان کا فدیہ بھی چھوڑ دیا جائے لیکن آپ نے اس بات کو قبول نہ فرمایا۔

مسلمانوں پر آپ بے حد شفیق اور مہربان تھے اور ان کے احوال کی بہت رعات فرماتے تھے، انسانی طبائع میں جو کتابت اور وقتی طور پر پست ہمتی یا تعطل پیدا ہوتا رہتا ہے اس کا برابر لحاظ رکھتے تھے، اسی لئے وعظ و نصیحت وقفوں کے ساتھ فرماتے تھے کہ ہمیں کتابت نہ پیدا ہونے لگے، اگر کسی بچہ کا رونا سن لیتے تو نماز مختصر فرمادیتے اور یہ فرماتے: میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھوں کہ کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خیال سے نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو دشواری و تکلیف نہ ہو۔

آپ فرماتے تھے، تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کسی دوسرے کی شکایت نہ کرے، اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل صاف ہو، آپ مسلمانوں کے حق میں شفیق باپ کی طرح تھے، آپ فرماتے تھے، جس نے ترکہ میں مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے، کچھ قرض وغیرہ باقی ہے، تو وہ ہمارے ذمہ، آپ افراط و تفریط سے پاک تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

ابو بخاری شریف، کتاب البر، باب عیادة الصبیان، نیز کتاب البغائز، باب قول النبی ﷺ علیہ آلہ وسلم۔ "یعذب المیت بکاء اولہ"

علیہ وآلہ وسلم کو جب دو کاموں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینی ہوتی تو ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے جو زیادہ سہل ہوتا بشرطیکہ اس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو، اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے، اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اپنی نعمت کا نشان اپنے بندہ پر دیکھے۔

آپ گھر میں عام انسانوں کی طرح رہتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ”آپ اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود روہ لیتے تھے اور اپنا کام خود انجام دے لیتے تھے، اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے، جو تا گاٹھ لیتے تھے“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے گھر میں کس طرح رہتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ گھر کے کام کاج میں رہتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے باہر چلے جاتے اور بیان کرتی ہیں کہ آپ تمام لوگوں میں سب سے نرم اور سب سے زیادہ کریم تھے اور سننے سے مسکراتے رہتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ”میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اپنے اہل و عیال پر شفیق و رحیم ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”تم میں سے زیادہ بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے سب سے بہتر ہو، اور میں اپنے اہل و عیال کے معاملہ میں تم سے سب سے بہتر ہوں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا، اگر خواہش ہوئی تو تناول فرمایا، ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال خدمت کی آپ نے کبھی ہوں ”بھی نہیں کہا، اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام

تم نے کیوں کیا، اور فلاں کا تم نے کیوں نہ کیا؟ آپ کے صحابہ کرام آپ کے لئے اس خیال سے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کہ آپ اس کو پسند نہیں فرماتے، اور فرماتے کہ میری اس طرح آگے بڑھ کر تعریف و توصیف نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ کیا تھا، میں تو..... ایک بندہ ہوں، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”مدینہ کی لونڈیوں اور باندیوں میں سے کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتی، اور جتنی دور چاہتی لے جاتی“ عدی بن حاتم جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو اپنے گھر بلایا، باندی نے تکیہ ٹیک لگانے کے لئے پیش کیا، آپ نے اس کو اپنے اور عدی کے درمیان رکھ دیا، اور خود زمین پر بیٹھ گئے، عدی کہتے ہیں کہ اس میں سمجھ گیا کہ وہ بادشاہ نہیں ہیں، ایک شخص نے آپ کو دیکھا تو عرب و جلال سے کانپ گیا، آپ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک خاتون ہی کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی، آپ گھر میں جھاڑو دے لیتے، اونٹ باندھتے، ان کو چارہ دیتے، گھر کی خادمہ کے ساتھ کھانا کھا لیتے، اور آٹا گوندھنے میں اس کی مدد کرتے، اور بازار سے خود سودا سلف لے آیا کرتے تھے۔

آپ کو اگر کسی شخص کے متعلق ایسی بات معلوم ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو یہ نہ فرماتے کہ فلاں صاحب ایسا کیوں کرتے ہیں؟ بلکہ یوں کہتے، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسے افعال ان سے سرزد ہوتے ہیں، یا ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہیں، اس طرح نام لئے بغیر اس فعل سے روکتے۔

آپ کمزور بے جان جانوروں، اور چوپایوں پر شفقت فرماتے، اور ان کے ساتھ

نرمی کا حکم فرماتے تھے، فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے اور نرم برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے اگر قتل بھی کرو تو اچھی طرح کرو، ذبح کرو تو اچھی طرح کرو، تم میں جو ذبح کرنا چاہے، وہ اپنی چھری پہلے تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے اور فرمایا کہ: ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو، ان پر سواری کرو تو اچھی طرح، ان کو کھاؤ تو اس حالت میں کہ وہ اچھی حالت میں ہو، خادم، نوکر اور مزدور و غلام کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے اور فرماتے: جو تم کھاتے ہو، وہی ان کو کھلاؤ، جو تم پیتے ہو وہی ان کو پیناؤ، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہ کرو، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے، تمہارے بھائی، تمہارے خادم و مددگار ہیں جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اس کو چاہئے کہ جو خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے، جو خود پیتا ہے وہی اس کو پینائے، ان کے سپرد ایسا کام نہ کرو، جو ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو پھر ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

ایک اعرابی آپ کے پاس آیا اور پوچھا کہ میں اپنے نوکر کو ایک دن میں کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپ نے فرمایا: ”بشر مرتبہ“ اور فرمایا: ”مزدور کو اس کی مزدوری، اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔“

شامل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

”زل سے فطرت انسانی یہ ہے کہ انسان اپنے محبوب و محرم ہستی کی ان عادات و خصال

لے تلخیص از ”نبی رحمت“ ج ۲ صفحہ ۱۷۴-۲۰۹ یہ ساری روایتیں صحاح و سنن سے منقول ہیں اور اہل کتاب

میں ان کے حوالہ جات موجود ہیں۔

کو بھی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کا نہ وہ شرعاً مکلف ہے نہ قانوناً پابند محبت کا
آئین سے نرالا ہے، محب صادق میں اپنے محبوب کے عادات و خصائل اس کی محبوب
و مرغوب چیزوں اور اس کے مقابلہ میں اس کی ناپسندیدہ چیزوں اور اطوار و عادات
کے تحقیق کرنے کی خواہش اور فکر ہوتی ہے اور وہ اس کی نشست و برخاست چال ڈھال
باس و پوشاک اور ان چیزوں سے بھی واقف ہونا چاہتا ہے جو ضابطہ و قانون میں
نہیں آتیں۔

یہی وہ محرک تھا جس کی بناء پر علماء نے زمانہ قدیم میں بھی شامل نبوی کے موضوع
پر وسیع و عظیم کتابیں لکھیں اور آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے ان کتابوں میں سے
زیادہ شہرت و قبولیت امام ترمذی کی کتاب شامل کو حاصل ہوئی، ذیل میں
اسی کتاب سے مختصر شامل نبوی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پیش کئے جا رہے ہیں۔

سول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا نشیب میں
اتر رہے ہیں جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے آپ کی
نظر نیچی رہتی تھی، آپ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی آپ کی
عادت شریفہ عموماً گوشہ چشم سے دیکھنے کی تھی، چلنے میں آپ صحابہ کو اپنے آگے کر دیتے
تھے اور آپ پیچھے رہ جاتے تھے جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتدا فرماتے۔
آپ کے بال نصف کانوں تک تھے اور ان پٹوں سے جو کان کی تو تک ہوا کرتے
ہیں زیادہ تھے اور ان سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں، یعنی نہ زیادہ لانے تھے

لے شہور مورخ و سیرت نگار و مفسر حافظ ابن کثیر کی بھی اس موضوع پر مستقل تصنیف
”شامل الرسول“ کے نام سے ہے۔

نہ چھوٹے بلکہ متوسط درجہ کے۔

آپ نے مانگ بھی نکالی ہے، سر مبارک میں کثرت سے تیل استعمال فرماتے تھے اور بکثرت داڑھی میں کنگھی کرتے، جب وضو فرماتے، یا کنگھی کرتے، یا پاؤں کو عزت بخشتے تو داہنی طرف سے ابتدا کرنا پسند فرماتے، آپ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے ہر رات کو تین بار ایک آنکھ میں اور تین بار دوسری آنکھ میں سرمہ لگایا کرتے، لباس میں کرتا سب سے زیادہ پسند تھا، جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو (اظہار مسرت کے طور پر) اس کا نام لیتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کرتا مرحمت فرمایا ایسے ہی عمامہ، چادر وغیرہ پھر یہ دعا پڑھتے :-

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كُنتَ تَنْصِبُهُ	اے اللہ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں
أَسْأَلُكَ خَيْرَكَ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَكَ	اور اس کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے
وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا	یا اللہ تجھی سے اس کپڑے کی بھلائی
صُنِعَ لَكَ	چاہتا ہوں اور ان مقاصد کی خوبی
	چاہتا ہوں جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا
	اور اس کے شر سے اور ان مقاصد
	کے شر سے جن کے لئے یہ بنایا گیا
	تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور فرماتے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو، سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہئے، اور سفید ہی کپڑوں میں مردوں کو دفن کرنا چاہئے، یہ بہترین لباسوں میں سے ہے، نجاشی نے آپ کی خدمت میں دو سیاہ سادے موزے بھیجے، آپ نے ان کو

پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسج بھی فرمایا، اور ایسے جوتوں میں نماز پڑھ لی جن میں دوسرا
چمڑا سلا ہوا تھا، اور یہ فرماتے کہ ایک جوتہ پہن کر کوئی نہ چلے، یا دونوں پہن کر چلے،
یا دونوں نکال دے، یا میں ہاتھ سے کھانے یا صرف ایک جوتا پہن کر چلنے سے آپ منع
فرماتے تھے، اور فرماتے، جوتا پہنو تو پہلے داہنا پیر ڈالو، اور اتارو تو پہلے بائیں پیر
نکالو، آپ نے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے، اور ایک انگوٹھی بنوائی جس کا نقش یہ تھا،
محمد ایک سطر میں، رسول دوسری سطر میں، اور الشریعتی سطر میں، اور جب بیت الخلا
جاتے تو انگوٹھی اتار دیتے۔

آپ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں، تو سر پر سیاہ عمامہ
تھا، عمامہ جب پہنتے تو اس کا شملہ دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال لیتے، حضرت
عبد بن خالد المحاربی کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ جا رہا تھا کہ میں نے
ایک شخص کو اپنے پیچھے سے یہ کہتے سنا کہ لنگی اوپر کواٹھاؤ، میں نے کہنے والے کی طرف
متوجہ ہو کر دیکھا تو وہ حضور رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، میں نے عرض کیا کہ
حضور یہ ایک معمولی سی چدریہ ہے (اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے) آپ نے فرمایا کہ
”تمہارے لئے میرا سوہ نہیں ہے“ میں نے آپ کے ارشاد پر آپ کی لنگی کو دیکھا
تو آدمی بند لیموں تک تھی۔

آپ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا اور کھانے
سے فراغت پر (تین مرتبہ اپنی انگلیاں چاٹتے تھے، آپ نے نہ کبھی کھانا چوکی پر تناول فرمایا
نہ جھوٹی طشتریوں میں، اور نہ کبھی آپ کے لئے پتلی روٹیاں (چپاتی کی طرح) پکائی گئیں،

لے اس طرح کہ آپ نیچے تشریف رکھتے ہوں، اور کھانا چوکی پر رکھا ہوا ہو۔ لے جو محض زینت اور تکلف
کے طور پر ہوتی ہیں۔

حضرت قتادہؓ سے پوچھا گیا، کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر تناول فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دسترخوان پر آپ کو کدو کی مرغوب تھی، اور حلوہ اور شہد بھی مرغوب خاطر تھا، گوشت میں دست کا گوشت پسند کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ بات نہیں تھی کہ دست کا گوشت آپ کو سب سے زیادہ پسند ہو بلکہ آپ کو کبھی کبھی گوشت میسر آتا تھا، اور یہ جلدی گل جاتا ہے اس لئے یہ پسند تھا، تاکہ جلدی سے فارغ ہو کر اپنے مشاغل عالیہ میں مصروف ہوں، اور اسی طرح آپ کو ہانڈی اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔

آپ فرماتے تھے کہ جو شخص بغیر خدا کا نام لئے کھانا کھاتا ہے اس کے ساتھ شیطان شریک ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا، اگر کوئی کھانا شروع کر دے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے تو یوں کہہ لے:-

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلُهُ وَاٰخِرُهُ۔ اللہ کے نام سے اس کے شروع میں

(بھی) اور آخر میں (بھی)۔

کھانے سے فراغت پر فرماتے تھے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا

وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا۔

اور جب سامنے سے دسترخوان اٹھا دیا جاتا تو فرماتے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا مُّبَارَكًا

فِيْهِ غَيْرُ مَوْدِعٍ وَلَا مُسْتَعْنٰی عَنْهُ

رَبَّنَا۔ اللہ تعالیٰ کی بہت اچھی اور بابرکت حمد ہے، وہ اللہ جس سے نہ بے نیاز ہو اجا سکتا ہے، نہ اس کو خیر باد کہا جاسکتا۔

وہ ہمارا پروردگار ہے۔

اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ اسے خوش ہوتا ہے کہ بندہ کچھ کھائے اور کچھ پیے، تو اس پر اللہ کی حمد و ثنا کرے۔

آپ کو سب سے پسندیدہ شروب ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا، اور فرماتے کھانے اور پانی کا بدل دودھ کی طرح کوئی چیز نہیں، آپ نے زمزم کھڑے ہو کر پیا، اور پانی تین سانس میں نوش فرماتے تھے۔

آپ کے پاس ایک عطر دان تھا جس میں سے عطر لگایا کرتے تھے، اور عطر (اگر کوئی ہدیہ پیش کرتا) برد نہیں کرتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ تین چیزیں رو نہیں کرنی چاہئیں، تکیہ، تیل، خوشبو، اور دودھ، اور فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھلتی ہوئی ہو، اور رنگ غیر محسوس ہو، اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگتا، جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی، بلکہ صاف صاف، ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا کہ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے، اور (بعض مرتبہ) کلام کو (حسب ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے، تاکہ آپ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں، اور آپ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا، عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا، اور بعض اوقات آپ اس طرح بھی ہنستے کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے، جو ربیع بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے مسلمان ہونے کے بعد سے کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے تو تبسم فرماتے تھے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ میل جول اور مزاج فرماتے تھے، چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، حضور اس سے فرماتے: "یا اباعمیر ما فعل النخیر؟" (ارے ابوعمیر وہ چڑیا کا بچہ کہاں گیا) صحابہ کرام نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضور آپ ہم سے خوش مزاجی بھی فرمایا کرتے ہیں ارشاد فرمایا، ہاں مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا آپ مثال کے طور پر کبھی حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شعر بھی پڑھتے تھے اور کبھی کسی اور شاعر کا اپنا نچو کبھی طرفہ کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے۔ ع

دیانتک بالانصار من لم تزد

(یعنی تمہارے پاس کبھی وہ بھی خبریں لے کر آتا ہے جس کو تم نے کسی قسم کا معاوضہ

نہیں دیا۔)

اور کبھی فرماتے کہ سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ کی یہ بات ہے۔

الاکل شیء ما خلا الله باطل

(آگاہ ہو جاؤ، اللہ جل شانہ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔)

ایک مرتبہ ایک پتھر آپ کی انگلی میں لگ گیا، جس کی وجہ سے وہ خون آلود ہو گئی تھی، تو حضور نے یہ شعر پڑھا۔

هل أنت الا اصبع دمیت وفي سبیل الله ما لقیبت

اے ابوعمیر کے پاس ایک چڑیا کا بچہ تھا، جس کو پنجرہ میں بند کر رکھا تھا، اور اس سے کھیلتے تھے، وہ

مرگیا تو آپ نے مزاحیہ فرمایا۔ اے اس شعر کے بارے میں بظاہر یہ اشکال ہے کہ قرآن پاک میں

آپ کی توصیف میں فرمایا گیا ہے "وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ" (یس۔ ۶۹) (باقی صفحہ پر)

(تو ایک انگلی ہے جس کو اس کے سوا کوئی نصرت نہیں پہونچی کہ خون آلود ہو گئی)

اور (یہ رائگاں نہیں گیا، بلکہ) اللہ کی راہ میں یہ تکلیف پہونچی۔)

اور جنگ خنین کے موقع پر آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

انا انّی لاکذب وانا ابن عبد المطلب

(میں بلا شک و شبہ نبی ہوں، اور میں عبد المطلب کی اولاد ہوں)

آپ نے شعر پڑھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، اور اس پر انعام بھی دیا

اور اس کو پسند بھی فرمایا، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سو سے زیادہ مجلسوں میں بیٹھا ہوں، جن میں صحابہ

اشعار پڑھتے تھے، اور جاہلیت کے زمانہ کے قصے اور واقعات نقل کرتے تھے، اور

آپ (ان کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سنتے تھے، بلکہ کبھی کبھی ان کے ساتھ

تبسم بھی فرماتے تھے، حضرت حسان بن ثابتؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے،

تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں مدحیہ اشعار پڑھیں،

اور آپ کی طرف سے مدافعت کریں، اور یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ روح القدس

کے ذریعہ حسان کی مدد فرماتے ہیں، جب تک وہ دین کی طرف سے دفاع، یا رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے جواب دیتے رہیں۔

(باقی ص ۱۸۳ کا) اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ زبان پر موزوں کلام کا جاری ہو جانا اس کے

منافی نہیں، دوسری بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ یہ دوسرے کا شعر ہے جس کو آپ نے بطور استشہاد

اس موقع پر پڑھا۔

لے آپ نے کعب بن مالکؓ کا قصیدہ سنا، اور ان کو چادر عنایت فرمائی۔

اور جب آپ آرام فرمانے کا ارادہ فرماتے تو دامن ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے اور پھر فرماتے :-

رَبِّ قَتْلِي عَذَابُكَ يَوْمَ تَبْعَثُ اے میرے رب جب تلے اپنے بندوں
عَذَابُكَ کو اٹھائے گا، تو اپنے عذاب سے
مجھے محفوظ رکھنا۔

اور جب بستر پر تشریف لے جاتے تو فرماتے :-

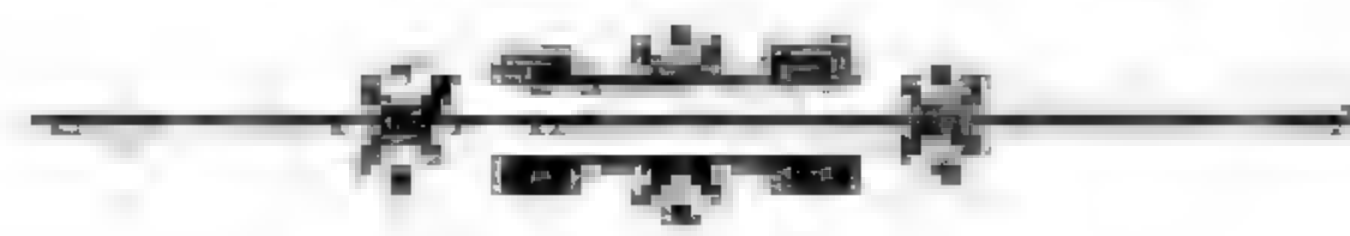
اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا اے اللہ آپ ہی کے نام پر میں مروت
اور زندہ ہوں

اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے :-

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ
مَا مَاتْنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ اس خدا کی تمام تعریفیں ہیں جس نے
مارنے کے بعد ہم کو جلا یا، اور اسی کی
طرف اٹھ کر جانا ہے۔

آپ کا بستر جس پر استراحت فرماتے تھے، چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال
بھری تھی، آپ مریض کی عیادت کرتے، اور جنازہ میں شریک ہوتے تھے، غلام کی بھی
دعوت قبول فرماتے، آپ نے ایک پرانے پالان پر سوار ہو کر حج فرمایا، جس پر ایک
کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چادر درہم کا بھی نہیں ہوگا، اور فرماتے کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیڑھی
دیا جائے تو میں قبول کر لوں، اور اس کی دعوت کی جائے تو میں ضرور جاؤں، اور
آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ناگوار بات کو رُودِ دُروغ منع نہیں فرماتے تھے، آپ ہدیہ
قبول فرماتے اور اس پر بدلہ بھی دیتے تھے، شرم و حیا میں آپ اس کنواری لڑکی سے بھی

(جو اپنے پردہ میں ہو) بہت بڑھے ہوئے تھے، اور جب کوئی بات ناگوار خاطر ہوتی،
تو پھر سے فوراً پہچان لی جاتی۔



لے متن امام ترمذی کی کتاب "اشمائل" سے لیا گیا ہے، ترجمہ اور بعض الفاظ کی توجیہ و تشریح میں
خصائل نبوی ترجمہ و شرح شمائل ترمذی از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے مدد
لی گئی ہے، مصنف علام کی مدینہ منورہ میں غزہ شعبان ۱۲۸۷ھ میں وفات حسرت آیات کے بعد ہوا
اس فصل کا اضافہ کیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

تہذیب اخلاق، اور تزکیہ نفس کی ربانی تربیت گاہ

روحانی امراض اور نفس کے شرور کے زہر کا تریاق

ہم یہاں چند آیات اور احادیث ذکر کرتے ہیں، جو تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کی بنیادی تعلیمات و ہدایات، نفس کے شرور و فتن، شیطان کے مکر و کید اور روحانی امراض کے زہر کا تریاق اور بہترین علاج ہیں، اور اپنی قوت و تاثیر میں بے مثل ہیں کیونکہ یہ حکیم و علیم، دانا و بینا کا کلام اور انسانوں کے خالق اور ان کے قلوب و نفوس کے صلح و قاطر کے بیان کردہ احکام و اصول ہیں، جس کا ارشاد ہے:-

الَّذِي عَلَّمَ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ

الْخَبِيرُ
تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا، اور سچیز

(الملک - ۱۴) سے آگاہ ہے۔

اور یہ اس نبی معصوم کی تعلیمات و ہدایات ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے تزکیہ نفس، تعلیم کتاب، اور حکمت کے لئے مبعوث فرمایا، اور جس کا اپنے باپے میں خود ارشاد ہے:-

أَدَّبَنِي رَبِّي فَاحْسَن تَأْدِيبِي۔ میرے رب نے میری تربیت فرمائی،

اور بڑی اچھی تربیت فرمائی۔

ان تعلیمات و ہدایات کی جو شخص بھی پابندی کرے گا، اور سنجیدگی و عزیمت اور
 اخلاص و امانت کے ساتھ ان کا لحاظ و اہتمام کرے گا، وہ تہذیب اخلاق، اوتزکیہ نفس
 کے گوہر مقصود کو پائے گا، ایک فرد اگر ان کی پابندی اور اہتمام کرے گا تو سعادت و طہارت
 اور بلند روحانی مراتب پر فائز ہوگا، اور اگر پورا معاشرہ ان کو اصول و معمول بنالے گا تو
 وہ مثالی معاشرہ بن جائے گا۔

اخلاص

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ
 لَهُ الدِّينَ هُمْ حَقًّا وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ
 وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ
 اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل
 کے ساتھ خدا کی عبادت کریں اور کیسو
 ہو کر اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں
 اور یہی سچا دین ہے۔ (البینۃ - ۵)

الْاِخْلَاصِ الدِّينِ الْغَالِصُ
 دیکھو خالص عبادت خدا ہی کے لئے
 (الزمر - ۳) (زیبا ہے)۔

سچی توبہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ
 تَوْبَةً نَّصُوحًا (التَّحْرِيم - ۸) توبہ کرو۔
 مومنو! خدا کے آگے صاف دل سے

صبر و تحمل اور عضو درگزر

وَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ
 اور جو صبر کرے اور قصور معاف کرے

عَزَّمُ الْأَمْرَ ۝ (الشوریٰ ۴۳) تو یہ بہت کے کام ہیں۔

خدا تعالیٰ کا استحضار

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ ۝ اور تم جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے

(الحدید - ۴) ساتھ ہے۔

يَعْلَمُ خَائِئِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي ۝ وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور

الضُّدُورُ ۝ (غافر - ۱۹) جو باتیں سینوں میں پوشیدہ ہیں ان کو بھی۔

تقویٰ اور قول و عمل میں استقامت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ ۝ مومنو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے

تَقَاتِهِ ۝ (آل عمران - ۱۰۲) ڈرنے کا حق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۝ مومنو! خدا سے ڈرو اور بات سیدھی

وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ (الاحزاب - ۷۰) کہا کرو۔

یقین و توکل

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ اور خدا ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا

(ابراہیم - ۱۱) چاہئے۔

وَلَا تَكُنْ عَلَى الْحَيِّ الذِّیْ لَا يَمُوتُ ۝ اور اس (خدا کے) زندہ پر بھروسہ رکھو

(الفرقان - ۵۸) جو کبھی نہیں مرے گا۔

استقامت

فَاسْتَقِمُّ كَمَا أُمِرْتَ۔ (اے پیغمبر) جیسا تم کو حکم ہوتا ہے

(ہود - ۱۱۲) اس پر قائم رہو۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا

أَفْلَخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا يُخْزَوْنَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

خَالِدِينَ فِيهَا ۖ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غناک ہوں گے یہی اہل جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔

(الاحقاف - ۱۳-۱۴)

کتاب سنت کو مضبوطی سے تھامے رہنا

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ

إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ۔ اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔

(النساء - ۵۹)

وَمَا أَمَرَ الرَّسُولُ فَعَدُّوا دُولَهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَأَنْتُمْ مُوَالٍ

اَللّٰہِ اور اس کے رسول کی محبت لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو خدا ہی کے

سوجھ بیزیم کو پیغمبر دیں وہ لے لو، اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

(الحشر - ۷)

ہَبَّاتِلَہ (البقرہ - ۱۶۵) سب سے زیادہ دوست دار ہیں۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
وَأُخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ
تَرْضَوْنََهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنْ
رَّسُولِي وَبِعَاقِبَةِ سَبِيلِي
فَرَبِّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
(التوبہ - ۲۴)

کہدو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور
بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی
اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے
مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات
جن کو تم پسند کرتے ہو خدا اور اس کے
رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد
کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو
ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم
(یعنی عذاب) بھیجے۔

تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں تعاون

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ
وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدَاوَةِ
وَالْبَغْضَاءِ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ (المائدہ - ۲)

اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں
میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور
ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے
رہو کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔

اسلامی اخوت و بھائی چارگی

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات - ۱۰)

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

امانت کی ادائیگی

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُوَدُّوا لِلْأَمْنِ
إِلَى أَهْلِيهَا (النساء - ۵۸)
خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی
امانتیں ان کے حوالہ کر دیا کرو۔

لوگوں میں مصاحبت اور مفید و خیر کے کام

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ
أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ
بَيْنَ النَّاسِ
ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں
ہاں اس شخص کی مشورت اچھی ہو سکتی ہے
جو خیرات یا نیک باتوں یا لوگوں میں صلح
کرنے کو کہے (النساء - ۱۱۳)

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ
(الأنفال - ۱)
تم خدا سے ڈرو اور آپس میں صلح
رکھو۔

نرم خوئی، مدارات و تواضع

وَإِخْفِضْ جَانِحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ
(الحجر - ۸۸)
اور مومنوں سے خاطر اور تواضع سے
پیش آنا۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا
السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ
تو تم بھی یتیم پرستم نہ کرنا اور مانگنے والے
کو جھڑکی نہ دینا۔

(الضحیٰ - ۹ - ۱۰)

اسوہ نبوی کا اتباع

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبُّكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
(آل عمران - ۳۱)

اے (پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو
دوست رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو
خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا، اور تمہارا
گناہ معاف کر دے گا، اور خدا بخشنے والا
مہربان ہے۔

امید و ایم اور خوف ورجا

وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ۝ (البقرہ - ۴۰)
قُلْ يُحْيِي الَّذِينَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ
أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا
إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ
(الزمر - ۵۳)

اور بھی سے ڈرتے رہو۔
(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں سے)
کہہ دو کہ اے میرے بند و جنہوں نے اپنی
جانوں پر زیادتی کی ہے، خدا کی رحمت سے
ناامید نہ ہونا خدا تو سب گناہوں کو بخش
دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔
(سن لو) کہ خدا کے داؤ سے وہی لوگ
نڈرہوتے ہیں، جو خسارہ پانے والے ہیں۔
خدا کی رحمت سے بے ایمان لوگ ناامید
ہوا کرتے ہیں۔

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ
الْخَائِرُونَ ۝ (الاعراف - ۹۹)
إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ
الْكَافِرُونَ ۝ (یوسف - ۸۷)

زہد و قناعت

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ
 الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَةُ الصَّلَاحُ خَيْرٌ
 عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا
 (الکہف - ۴۶)
 مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق)
 اور زینت ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے
 والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے
 پروردگار کے یہاں بہت اچھی اور
 امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔
 وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلُفْ
 فٌ إِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ خَيْرٌ لِّمَنِ الْحَيَوَاتُ
 لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (العنکبوت ۶۴)
 اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور
 تماشہ ہے اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام تو
 آخرت کا گھر ہے کاش یہ لوگ سمجھتے

اشار و قربانی

وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ
 بِهِمْ خَصَاصَةٌ (العشر - ۹)
 وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ
 مَكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا
 (الدھر - ۸)
 اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں
 خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔
 اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش
 اور حاجت ہے فقیروں اور یتیموں اور
 قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

کبر و غرور، فساد اور بگاڑ پھیلانے کی حرمت

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ
 وَهوَ آخِرُتِ کَاغَرِہِ ہَمْنِہِ اَسَہِ اِنْ لِّکُمْ

لَا يُرِيدُونَ غُلُوًّا إِلَى الْأَرْضِ وَلَا فَلَاحًا
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝
(القصاص - ۸۳)
کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور
فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام نیک
تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

حسن اخلاق اور نفس پر قابو رکھنا

وَالْكَلِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ
النَّاسِ ۝ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝
(آل عمران - ۱۳۴)
اور غصہ کو روکتے اور لوگوں کے قصور
معاف کرتے ہیں اور خدا نیکو کاروں کو
دوست رکھتا ہے۔
خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ
عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝ (الاعراف - ۱۹۹)
(اے محمد) عفو اختیار کرو، اور نیک کام
کرنے کا حکم دو، اور جاہلوں سے کنارہ کرو۔

نیکو کاروں کی صحبت

وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ
رَبَّهُمْ بِالْقَدْوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ
وَجْهَهُ ۝ (الکہف - ۲۸)
اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار
کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے
طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا
مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ (التوبہ - ۱۱۸)
اے اہل ایمان خدا سے ڈرتے رہو، اور
راست بازوں کے ساتھ رہو۔

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ
مِنْكُمْ كَوْنًا قَوْمًا أَوْ كَوْنًا قَوْمًا
مِنْكُمْ كَوْنًا قَوْمًا أَوْ كَوْنًا قَوْمًا

مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا
مِنْهُمْ وَلَا يَنْسَاءُ مِنْ نِسَاءِ عَسَى
أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا
أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ
بِئْسَ الْأَشْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ
وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ
(الحجرات - ۱۱)

مکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور
نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) مکن
ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے
(مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ
ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے
کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے اور
جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ
الْفَلَقِ زَانٍ بَعْضُ الْفَلَقِ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّأُوا
وَلَا يَغْتَابَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَتُحِبُّ
أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا
فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
تَوَّابٌ رَّحِيمٌ

اے اہل ایمان بہت گمان کرنے سے
احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور
ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو
اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے
کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے
ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تم

تو ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو)
اور خدا کا ڈر رکھو بیشک خدا توبہ قبول
کرنے والا مہربان ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
يَغْيَرُوا النَّسَبَ فَقَدْ احْمَلُوا بُهْتَانًا
وَأَنَّمَا مِثْلُهُ
(الاحزاب - ۵۸)

اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں
کو ایسے کام (کی تہمت) سے جو انھوں نے
نہ کیا ہو ایذا دیں تو انھوں نے بہتان

اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ
وَالْمُؤْمِنَاتُ بَأْنَفِهِمْ خِيفَةً وَقَالُوا
هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝

جب تم نے وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں
اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک
گمان نہ کیا، اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح

(النور - ۱۲) طوفان ہے۔

احادیث نبوی

تمام اعمال میں سلامتی نیت اور خدا تعالیٰ سے ثواب کی امید کی اہمیت

۱۔ انما الاعمال بالنیات وانما لكل امرئ
ماله فمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ
وَرَسُولِهِ فَهِيَ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا
أَوْ إِلَى نِسَاءٍ فَلَهُنَّ مَا فِي يَدَيْهِنَّ إِلَى مَا هَاجَرُوا
إِلَيْهِ۔

اعمال کا دارو ارنیتوں پر ہے اور ہر آدمی
کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی
تو جس نے خدا اور رسول کی طرف ہجرت کی
اس کی ہجرت خدا اور رسول کی طرف
ہوگی اور جس نے حصول دنیا یا کسی عورت
سے نکاح کی خاطر ہجرت کی تو جس چیز

(متفق علیہ) کے لئے ہجرت کی وہی مستبر ہوگی۔

۲۔ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا
غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَفِي قَامِ
لَيْلَةِ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ

جو خدا کے وعدوں پر ایمان رکھتے ہوئے
اور ثواب کی امید میں رمضان کے روزے
رکھے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے

ما تقدم من ذنبه

جو خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے

(بخاری شریف)

اور اس کے ثواب کی امید میں شب قدر

عبادت میں گزارے گا، اس کے پچھلے گناہ

معاف کر دیئے جائیں گے۔

ایمان کے شرائط اور حقیقی مسلمان کی صفات

۳۔ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَؤُلَاءِ

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک

تبعاً لما حُتَّتْ بِهِ۔

مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی

(حکیم ترمذی، خطیب بغدادی)

خواہشات میرے لئے ہوئے (دین)

کے تابع نہ ہو جائیں۔

۴۔ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا

إِلَيَّ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ

جب تک کہ میں اسے اپنے والد بیٹوں،

اجمعین۔ (بخاری شریف)

اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں

۵۔ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا

إِلَيَّ مِنْ نَفْسِهِ۔

جب تک کہ میں اس کے نزدیک اپنی ذات

(مسند احمد)

سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

۶۔ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک

مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی

(متفق علیہ)

کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا

۷۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمومن من آمنه

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ

الناس على دماءهم واموالهم۔

سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے

(ترمذی و نسائی)

جس سے لوگوں کو اپنی جانوں اور مالوں

کے متعلق اطمینان ہو۔

۸۔ لا یسلم عبد حتی یسلم قلبه

کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں

و لسانه، ولا یومن حتی یأمن

ہو سکتا، جب تک اس کا دل اور زبان

مسلمان نہ ہو جائیں اور اس وقت تک

مومن نہیں ہو سکتا، جب تک اس کا پروپی

ابن مسعود وما یوایقہ یا رسول اللہ

اس کی ایذا رسانیوں کا محفوظ نہ ہو، راوی

قال: غشمه وظلمه۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود نے دریافت

(احمد)

کیا کہ بوائق سے کیا مراد ہے؟ آپ نے

فرمایا: ظلم و زیادتی۔

۹۔ من حسن اسلام امره ترکہ

آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ

مالا یغنیہ۔ (ماکہ احمد و ترمذی)

لا یعنی ترک کر دے۔

۱۰۔ ثلاث من الإیمان، الاتفاق من

تین چیزیں نتیجہ ایمان ہیں، تنگ دستی

الاقتار، وبذل السلام للعالم

کے باوجود خرچ کرنا، سلام کو رواج دینا

والإنصاف من نفسك۔

اور اپنے معاملہ میں (بھی) انصاف سے

(بخاری)

کام لینا۔

۱۱۔ لا ایمان لمن لا أمانة له ولا دین

اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت نہیں

لمن لا عهد له ثلاث من كن فيه
 وجد حلاوة الإيمان أن يكون
 الله ورسوله أحب إليه مما
 سواهما وأن يحب المرء لا يحبه
 إلا لله، وأن يكره أن يعودي
 الكفر كما يكره أن يقذف في النار
 (متفق عليه)

اس شخص کا دین نہیں جو عہد کا پاس نہیں کرتا
 تین فضیلتیں جس کے اندر ہوں گی وہ
 ایمان کی حلاوت کا مزہ اچھے گا، یہ کہ
 اللہ و رسول اس کو ان کے علاوہ سب سے
 زیادہ محبوب ہوں اور یہ کہ کسی سے
 محض اللہ فی اللہ محبت کرے اور یہ کہ
 کفر میں واپس جانا اس کے لئے اتنا ہی
 گراں ہو جتنا آگ میں پھینکا جانا۔

۱۲۔ الدین النصيحة (ثلاثاً) قلنا لمن؟
 قال لله وكتابه ورسوله ولأئمة
 المسلمين وعامتهم۔

دین خیر خواہی کا نام ہے (تین مرتبہ فرمایا)
 ہم نے کہا کہ کس کے لئے؟ فرمایا اللہ کے لئے،
 اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے
 لئے، مسلمانوں کے ائمہ و حکام کے لئے،
 اور عوام کے لئے۔

۱۳۔ آية المنافق ثلاث اذا حدثت
 كذب واذا وعد أخلف واذا
 أثمن خان۔

منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات
 کرے تو جھوٹ بولے جب عہد کرے تو
 خلاف ورزی کرے جب امانت رکھی
 جائے تو خیانت کرے۔

۱۴۔ إنا الحياء من الإيمان۔

شرم و حیاء ایمان ہی کی وجہ سے ہوتی
 ہے۔

(متفق عليه)

۱۵۔ اتق المحارم تكن اعبدا للناس وارض
بما قسم الله لك تكن اُخى الناس
واحسن إلى جارك تكن مومناً و
أحب للناس ما تحب لنفسك تكن
مسليماً، ولا تكثر الضحك، فإن كثرة
الضحك تميت القلب۔
(ترمذی)

محرمات سے بچو تم بندگی میں سب سے افضل
ہو گے، اور خدا تعالیٰ نے جو تمہاری قسمت
میں لکھ دیا اس پر راضی رہو، تم سب سے
بے نیاز رہو گے، اپنے پڑوسی کے ساتھ
حسن سلوک کرو، تم مومن ہو گے، جو اپنے لئے
پسند کرتے ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند
کرو تم مسلمان ہو جاؤ گے، اور زیادہ
نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو
مردہ کر دیتا ہے۔

مسلمان معاشرہ جو نبوی تعلیمات و ارشادات پر قائم ہے

۱۶۔ أَلَا ان المسلم أخو المسلم، فليس
يحل لمسلم لأخيه شيء إلا ما أحل
من نفسه۔ (ترمذی)

سن لو کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، لہذا
جو معاملہ اپنے ساتھ جائز ہو وہی کسی دوسرے
مسلمان بھائی کے ساتھ جائز ہوگا۔

۱۷۔ لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا
تباغضوا ولا تدابروا ولا يبيع
بعضكم على بيع بعض، وكونوا عباد
الله اخواناً، المسلم أخو المسلم
لا يظلمه ولا يخذله، ولا يحقره

آپس میں حسد نہ کرو، خرید و فروخت میں
دھوکہ نہ دو، بغض نہ کرو، اور ایک دوسرے
کی غیبت نہ کرو، کسی کی فروخت پر
اپنی فروخت نہ کرو، اللہ کے بند بھائی
بھائی ہو جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے،

التقوى ههنا ويشير الى صدره
ثلاث مرات، بحسب امرئى من
الشران يحقر أخاه المسلم، كل
المسلم على المسلم حرام، دمه
وماله، وعرضه.

(مسلم شریف)

نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو
بے یار و مددگار چھوڑتا ہے نہ اس کو خفا
سے دیکھتا ہے، تقویٰ یہاں ہے،
(سینہ کی طرف اشارہ فرما کر تین بار
یہ فرمایا) آدمی میں شر کے لئے اتنا ہی کافی
ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے
ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون مال
آبرو حرام ہے۔

۱۸۔ لا یحل لرجل أن ینہی أخاه فوق
ثلاث لیال، یتقیان فیعرض هذا
ويعرض هذا، وخیرهما الذی
یبدأ بالسلام۔

(بخاری شریف)

۱۹۔ المؤمن مرآة المؤمن، والمؤمن
أخو المؤمن یكف علیہ ضیعتہ
ویحوطہ من ورائہ۔

(ابوداؤد)

مومن مومن کا آئینہ ہے اور مومن مومن
کا بھائی ہے اس کی زمین کی حفاظت
کرتا ہے اور اس کے پس پشت اس کی
دیکھ بھال کرتا ہے۔

۲۰۔ الا أخبرکم بأفضل من درجة الصیام

والصلاة والصدقة، قالوا، بلی

کیا تم کو روزہ اور نماز اور صدقات
کے مقام سے بھی بلند مرتبہ کام بتاؤں؟

یا رسول اللہ! قال: إصلاح
ذات البین، وفساد ذات البین
هی الحالقة۔

صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ
کے رسول! آپ نے فرمایا: تعلقات
کی اصلاح کرنا، اور تعلقات کا بگاڑ

(البداء) (دین کو) موند دینے والا ہے۔
۲۱۔ لا تحقرن من المعروف شیئاً
ولو ان تلقی اُخاک بوجہ طلق۔
(مسلم)
۲۲۔ نزی المؤمنین فی تراحمهم وتواضعهم
وتعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی
منه عضو تداعی له سائر الجسد
بالسهر والحسب۔

معمولی سی بھلائی کو بھی خواہ وہ اپنے
بھائی سے خوش روئی و خندہ پیشانی
سے ملاقات ہی کیوں نہ ہو حقیر نہ سمجھو۔
ایمان والوں کو ان کی آپس کی شفقت
محبت و الفت اور ہمدردی میں ایک
جسم جیسا پاؤں کے کہ اگر اس کے کسی عضو میں
تکلیف ہو تو سارے اعضاء جسم تپ اور

(موفق علیہ)
۲۳۔ المخلوق عیال اللہ، فأحب المخلوق
إلی اللہ من أحسن إلی عیالہ۔
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

بے خوابی میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔
مخلوق اللہ کی عیال ہے تو اللہ کو سب سے
زیادہ محبوب مخلوق وہ ہے جو اس کے
عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

۲۴۔ ما زال جبریل یوصینی بالجارحتی
فلننت أنہ سیورثہ۔

جبریل علیہ السلام پڑوسی کے بارے میں
مجھے اس قدر وصیت کرتے رہے کہ مجھے

(صحیحین، البداء، وترمذی)
خیال ہونے لگا کہ وہ اس کو وراثت بھی
بنادیں گے۔

۲۵۔ الراحمون یرحمہم الرحمن (رحم کرنے والوں پر رحمت بھجبتا
 ارحموا من فی الأرض یرحمکم ہے تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا
 من فی السماء۔ (ترمذی و ابوداؤد) تم پر رحم کرے گا۔

مہلک اعمال و اخلاق اور جنت میں داخلہ کے موانع

۲۶۔ لا یدخل الجنة قاطع رحم۔ جنت میں رشتوں ناطوں کا توڑنے

(صحیحین ابوداؤد و ترمذی) والا داخل نہیں ہوگا۔

۲۷۔ لا یدخل الجنة تمام فی روایۃ جنت میں چنل خور نہ جائے گا۔

قتات۔ (متفق علیہ)

۲۸۔ ایاکم والحسد، فإن الحسد حسد سے بچو کیونکہ وہ نیکیوں کو اسی طرح

یا کل الحسنات کما تأکل النار الحطب۔ کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک

لکڑی کو۔ (ابوداؤد)

۲۹۔ دبت إلیکم داء الأمم قبلکم الحسد و البغضاء ہی الحالقة، لا أقول

تہیں بھی لگ گئی یہ مونڈ دینے والی ہے تعلق الشعر، ولكن تخلق الدین۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بال مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔

(ترمذی و احمد)

۳۰۔ ما ذنبان جائعان أرسلانی غم دو بھڑیے جن کو بکریوں میں ڈال دیا جائے

بأفسد لہا من حرص المرء علی المال اتنا ان کو نقصان نہیں پہنچائیں گے

والشرف لدینہ۔ (ترمذی و احمد) جتنا مال و جاہ کی حرص و محبت دین کو

نقصان پہونچاتی ہے۔

فضائلِ مکارمِ اخلاق اور تقویٰ و عقلمندی کے تقاضے

۳۱۔ اُمْرِی رَبِّی بِتَحِیُّ: خَشِیۃُ اللّٰهِ
فی السِّرِّ وَالْعِلَانیۃِ، وَکَلِمَةُ الْعَدْلِ
فی الرِّضَا وَالْغَضَبِ، وَالْقَصْدُ
فی الْفَقْرِ وَالْغِنَی، وَأَنْ أُصِلَ مِنْ
قَطْعَنِی، وَأُعْطِیَ مِنْ حَرَمَنِی،
وَاعْفُو عَنِّی ظَلَمَنِی، وَأَنْ یُّکُونَ
صَمْتِیَ فِکْرًا وَنَطْقِیَ ذِکْرًا وَنَظَرِیَ
عِبْرَةً، وَأَمْرًا بِالْمَعْرُوفِ۔

میرے رب نے مجھے ۹ باتوں کا حکم کیا
ہے: کھلے اور چھپے شر سے ڈروں،
رضامندی اور ناراضگی میں انصاف
کی بات کہوں، تنگ دستی و خوش حالی
میں میانہ روی اختیار کروں، جس نے
مجھ سے توڑا اس سے جوڑوں، جس نے
حرم رکھا اس کو دوں، جس نے ظلم کیا
اس سے درگزر کروں اور میری خاموشی
غور و فکر ہو، میری گویائی ذکر ہو، میری
نگاہ نگاہ عبرت ہو اور میں بھلائی کی وصیت
کروں۔

(رزین)

۳۲۔ لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِی، وَلَكِنْ
الْوَاصِلُ مَنْ إِذَا قُطِعَتْ رَحْمَةُ
وَصْلَہَا۔

رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو بدلہ میں
رشتہ جوڑے، بلکہ رشتہ جوڑنے والا وہ
ہے، جس سے رشتہ توڑا جا رہا ہو اور وہ
جوڑ رہا ہو۔

(بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

۳۳۔ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنَهُمْ
كَامِلٌ مُؤْمِنٌ وَهٖ هُوَ اخْلَاقٌ بِمِ رَجَا

- أَخْلَاقًا وَخِيَارًا كَمِ لَدَائِهِمْ. بہتر ہے اور تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو
(ترمذی) اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہیں۔
- ۳۴۔ إِنْ الْمُؤْمِنُ لَيَدْرِكُ بِحَسَنِ خَلْقِهِ. مومن حسن اخلاق سے ایسے روزہ دار کا حکم
درجۃ الصائم القائم۔ (ابوداؤد) حاصل کر لیتا ہے جو برابر نماز پڑھ رہا ہو۔
- ۳۵۔ دَعْ مَا يَرِيكَ إِلَى مَا لَا يَرِيكَ. جس میں شک و شبہ ہو اس کو چھوڑ کر اس
(احمد و دارمی) چیز کو اختیار کر جس میں شک و شبہ نہ ہو۔
- ۳۶۔ اسْتَفْتِ قَلْبَكَ، أَلَيْسَ مَا اطْمَأْنَنْتَ. اپنے دل سے پوچھو، نیکی وہ ہے جس پر
إِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأْنَانٌ إِلَيْهِ الْقَلْبُ تمہارا قلب و ضمیر مطمئن ہو، اور گناہ
وَالْآثِمُ مَا هَالِكٌ فِي النَّفْسِ وَتَرَدُّدٌ وہ ہے جو دل میں کھٹکے، اور جس میں
فِي الصُّدُورِ وَإِنْ افْتَالَ النَّاسُ تردد پیدا ہو، خواہ لوگ فتویٰ دیتے
وَأَفْتَوْكَ۔ (احمد و دارمی) رہیں، اور فتویٰ دیتے رہیں۔
- ۳۷۔ اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ، وَاتَّبِعِ السَّبِيلَ الْحَسَنَ تَحْتَهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔ جہاں کہیں بھی رہو خدا کا خوف ملحوظ
رکھو، اور بُرائی (اگر ہو جائے) تو اس کے بعد نیکی کر لو، وہ اس کو مشادے گی،
(احمد، ترمذی، دارمی) اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔
- ۳۸۔ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَمَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ ضَمَنْتَ لَهُ بِالْجَنَّةِ۔ جو اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان،
اور اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان جو کچھ ہے اس کی (حفاظت کی) ضمانت
(بخاری و ترمذی) دے دے، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۳۹۔ من خاف أدلج، ومن أدلج بلغ

جس کو خوف ہوتا ہے، وہ رات میں

المنزل، إلا ان سلعة الله غالية

چلتا رہتا ہے، اور جو رات میں چلتا

الا ان سلعة الله الجنة

رہتا ہے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے

(ترمذی)

من لو کہ خدا کا سودا گراں ہے، خدا کا

سودا جنت ہے۔

۴۰۔ من كانت الآخرة همة، جعل

آخرت جس کا محور فکر ہوتی ہے، خدا تعالیٰ

الله غناة في قلبه، وجمع عليه

اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے، اس کا

شملة، وامت الدنيا وهي راغة

شیرازہ مجتمع کر دیتا ہے، اور دنیا ذلیل

ومن كانت الدنيا همة، جعل الله

ہو کر اس کی خدمت میں آتی ہے،

فقره بين عينيه، وفرق عليه

اور دنیا جس کی فکر کا مرکز ہوتی ہے،

شملة، ولم يأت من الدنيا

خدا تعالیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے

الاما قدر له

تنگ دستی کر دیتا ہے، اس کا شیرازہ

(ترمذی)

بکھیر دیتا ہے، اور دنیا میں اس کو

صرف وہی ملتا ہے جو مقدر میں لکھا جا چکا

تھا۔

۴۱۔ الكيس من دان نفسه وعمل

عقلندہ وہ ہے جو اپنے نفس کا میاں کرے،

ما بعد الموت والعاجز من اتح

اور موت کے بعد کے لئے کام کرتا ہے، اور

نفسه هواها، وتغنى على الله

ناکارہ وہ ہے جو نفس کو خواہشات کے پیچھے

الأماني

لگائے رکھے، اور اللہ سے امیدیں لگا دے

(ترمذی)

بیٹھا رہے۔

اسلامی تمدن کی ضرورت و اہمیت

اور مغربی تمدن سے اس کا تضاد

ایک ایسا دین اپنے مخصوص تمدن اور معاون و متناسب ماحول کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، اور جو زندگی کو مخصوص عقائد و حقائق کے ذریعہ ایک خاص سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے، جس دین میں عبادت و فرائض کا ایسا نظام ہے، جو زندگی اور وقت کے ایک بڑے حصہ پر محیط ہے، اور ان کے لئے مخصوص شرائط و ضوابط ہیں، نیز جو طہارت و عفت کا مخصوص تصور رکھتا ہے، اس کے یہاں طہارت و نظافت کے، اور عفت صرف بڑے اخلاقی جرائم سے اجتناب کے مراد نہیں، بلکہ ان سے کہیں زیادہ وسیع و عمیق اور ہمہ گیر ہے، اس دین اور اس کے متبعین کا خاص طور پر اس مغربی تمدن کے ساتھ گزارہ نہیں ہو سکتا، جس کا نشوونما اور ارتقاء خاص تاریخی عوامل کے ماتحت کبھی خالص مادہ پرستانہ ماحول، اور بعض اوقات دشمن مذہب اور دشمن اخلاق فضا میں ہوا ہے، اور جس کی حقیقت اس کے ایک رمز شناس نے (جو اس کی تاریخ اور اس کے مزاج و طبیعت سے پوری طرح واقف تھا، اور اس کے مرکوزوں میں رہ چکا تھا) ایک مصرعہ میں بیان کر دی ہے۔ ع.

لے ڈاکٹر سر محمد اقبال مراد ہیں۔

کہ روح اس بدنیت کی رہ سکی نہ بعفیف

اسلامی تمدن میں عبادات کا پورا نظام طہارت سے مربوط ہے اور مغربی تمدن زیادہ سے زیادہ نظافت کے مفہوم سے آشنا ہے، اسلامی تمدن عفت نظر، عفت قلب اور عفت خیال کا قائل اور داعی ہے، مغربی تمدن صرف قانونی اور زیادہ سے زیادہ عرفی حدود کا احترام کرتا ہے، اور اگر عرف ماحول اور متعلق فرقی کو اس پر اعتراض نہیں ہے، تو اس کے نزدیک کوئی فعل غیر ستحسن اور غیر عفیفا نہ نہیں، اسلامی تمدن حجاب و تشتر کا حامی ہے، اور وہ شریعت کی دی ہوئی اجازتوں اور استثناءؤں کے دائرہ کے اندر شدت اس کا پابند ہے، مغربی تمدن حجاب و تشتر کے ابتدائی حدود و مفہوم سے کبھی نا آشنا ہو چکا ہے، اور اس نے اپنے آغاز سفر ہی میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اسلامی تمدن مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کا مخالف ہے، اور اس کو معاشرہ کے لئے مضر، اور بہت سی اخلاقی خرابیوں کا موجب سمجھتا ہے، مغربی تمدن اس کو زندگی کی بنیاد اور ایک بدیہی حقیقت سمجھتا ہے۔

ان اصولی اختلافات کے علاوہ تصویر کتنے، مردوں کے لئے سونے چاندی اور ریشم کے استعمال، ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کا فرق، اور بہت سی جزئیات میں دونوں کے موقف اور نقطہ نظر نہ صرف مختلف بلکہ متضاد ہیں، اسلام (خواہ کتنی ہی علمی تاویلیں کی جائیں) تصویر کو نظر استحسان نہیں دیکھتا، اور شائع اسلام کو اس سے تنفر اور توخس تھا، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جس گھر میں تصویر لگتا اور محسوس ہوتے ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے، اور مغربی تمدن میں تصویر کے بغیر لقمہ توڑنا بھی

۱۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں "إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ" دوسری روایت میں (باقی صلا پر)

شکل ہے، اس کا قدرتی نتیجہ ہے کہ مغربی تمدن اختیار کر کے اسلام کے نظام طہارت و عفت، تشو و حیا، سادگی و اعتدال اور سنت اور اسوۂ نبویہ کے راستہ پر باقی نہیں رہا جاسکتا۔

صرف مستقل طور پر مغربی تمدن اختیار کر لینے ہی سے یہ دشواریاں پیدا نہیں ہوتیں عارضی طور پر بھی اس زندگی اور ماحول میں تھوڑا سا وقت گزارنے کی حالت میں بھی سب دشواریاں پیش آتی ہیں، اس کا اندازہ ان اعلیٰ ہوشیوں یا قیام گاہوں میں قیام کرنے ہی ہو جاتا ہے جن کی تشکیل و ترتیب بالکل مغربی طرز پر ہوئی ہے، اور ان میں (خواہ وہ مشرق و ایشیا میں ہوں، یا ممالک عربیہ، حتیٰ کہ بلاد مقدسہ میں) طہارت کا اہتمام اور فرائض کی پابندی مشکل ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات شریعت کے حدود سے تجاوز کرنا پڑتا ہے۔
www.KitaboSunnat.com

بنابریں عقائد، عبادات، سنن و مستحبات، اذکار، ماثورہ و اسلامی سیرت و عادات کے ساتھ (جن کا ضروری حد تک اس کتاب میں بیان آگیا ہے) کتاب کے قارئین کو اس کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ ان کے گھر اور ماحول میں اسلامی تمدن اور اسلامی معاشرت کار فرما ہو، اور وہاں مغربی تمدن کی ان خصوصیات و شعائر، (عام اختلاط، بے حجابی، تصویر کے آزادانہ استعمال، بالخصوص سنیما و ٹیلی ویژن، نغمہ و سرود و موسیقی، کتے کے

(باقی صفحہ ۲۱۱ کا) الفاظ آئے ہیں لاقد خل الملائکۃ بشفافہ کلب ولا صورۃ عماشیل ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبریلؑ نے فرمایا: "ان لا ندخل بشفافہ صورۃ ولا کلب" (صحیح بخاری، کتاب بدو الخلق) اے اسی کی تقلید میں ممالک عربیہ میں بھی تصویر کا فتنہ اپنے شباب پر ہے اور اس کے مفاسد کا شاہدہ ہو رہا ہے۔
۱۔ مصنف نے بار بار اس کا تجربہ کیا ہے، اور اپنے سفر ناموں اور تقریریں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

مس ولس، مشتبہ ماکولات کے استعمال) سے امکانی حد تک دور رہا جائے، شرعی پردہ، حیا و شرم، طہارت کے انتظامات، پانی کے استعمال کی سہولت، سمت قبلہ کی واقفیت، کپڑوں اور استعمال کی چیزوں کی شرعی نظافت، بچوں کی دینی تعلیم، اور بچیوں کی دینی تربیت و تہذیب کا پورے تیقظ کے ساتھ اہتمام ہو کہ اس کے بغیر شرعی و سنون طریقہ پر زندگی گزارنا نوالگ رہا، دینی فرائض کی ادائیگی بھی مشکل ہو جاتی ہے، مزید برآں کسی قوم کو اس کے مخصوص تہذیب و تمدن سے الگ کر دینا جو اس کے دین و شریعت کے سایہ میں پروان چڑھا ہے، اور مخصوص دینی ماحول میں اس کا نشوونما ہوا ہے، اسے کارزار حیات سے الگ، اور عقیدہ و عبادت اور دینی رسوم تک محدود کر دینے، اور اس کے حال کو اس کے ماضی سے کاٹ دینے کے مراد ہے، اس طرح وہ تدریجی طور پر اپنے بنیادی عقائد اور مسلک حیات سے بھی الگ ہو جاتی ہے، ذہنی و تہذیبی ارتداد کے راستہ پر پڑ جاتی ہے، اس میں وہی معاشرتی انارکی، خاندانی شیرازہ کی پراگندگی، اور اخلاقی جذام رونما ہوتا ہے، بے نوشی اور مسکرات کا آزادانہ استعمال شروع ہو جاتا ہے، جو مغرب میں اپنے شباب پر ہے، جس کا مشاہدہ آنکھ بند کر کے مغرب کی تقلید کرنے والے متعدد اسلامی ملکوں میں بھی ہو رہا ہے۔



۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی تقاریر کا مجموعہ "أهمية الحضارة في تاريخ الديانات وحيات أصحابها" نیز مصنف کی کتاب "سلم مالکین اسلام و مغربیت کی کشمکش" کا باب "عالم اسلام کا مستقل مجتہدانہ کردار" اور اس کا عنوان "مالک اسلامیہ میں تمدن کی اہمیت"۔

کچھ تجربے، کچھ مشورے

گزشتہ صفحات میں دین کے خاص مزاج، اور امتیازی خصوصیات، صحیح اسلامی اور سنی عقائد کی شرح و وضاحت، اسلام میں مشروع عادتوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور عبادات میں آپ کا ذوق و طریقہ کار، جہاد فی سبیل اللہ، اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کی کوششوں میں آپ کا اسوہ و عمل، تہذیبِ اخلاق و تزکیہ نفس کا قرآنی اور نبوی مفہوم اور کتاب و سنت کا اس موضوع کے ساتھ اہتمام اور پھر وہ اخلاق و شمائل نبوی اور سیرت طیبہ جس پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اصلاح و تربیت، مثالی فرد کو تیار کرنے، اور نفس کے فتنوں، شیطان کی چالوں، اور اخلاق و اعمال کی خطرناک کمزوریوں کی حفاظت کے سلسلہ کی جو آیات قرآنی اور احادیث نبوی پیش کی گئیں، وہ ایک مسلمان کے لئے کافی و شافی ہیں جس کو اپنی اصلاح و ترقی اور سعادت و فلاح کی حقیقی و مخلصانہ فکر ہو اور وہ کسی فریبِ نفس میں مبتلا نہ ہو اور ایمان و احسان کے بلند مقامات پر فائز ہونے کی خواہش و تمنا رکھتا ہو (اگر توفیق الہی یاوری کرے) تو ولایتِ عاتقہ و خاصہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباعِ کامل کے اعلیٰ ترین مراتب تک پہنچنے کا حوصلہ اس کے دل میں موجزن ہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ
اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی
(العنکبوت-۶۹) اور خدا تو نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

شاید قارئین کو یہ خیال ہو کہ اس مختصر سی کتاب میں جو مضامین ذکر کئے گئے ہیں، وہ کوئی نئے نہیں بلکہ وہ عام معلومات ہیں، وہ سب کتاب الہی (جو ہر مسلمان کا وظیفہ حیات ہے) اور حدیث نبویؐ بھو شائع و ذائع ہے، کے صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں، اور قدیم و جدید مستند علماء کی کتابوں میں یہ سارے مضامین اگر کچھ نہیں، تو متفرق طور پر موجود ہیں، اور خود مصنف نے اس موضوع پر امام غزالیؒ کے دور سے اب تک لکھی جانے والی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، اس لئے کتاب میں سوائے تلخیص و تہلیل اور جدید ذوق کی رعایت کے کوئی ندرت، کوئی نئی دریافت، یا کسی دفتینہ کی نشاندہی نہیں، لہذا اس کتاب کے مضامین سے فائدہ اٹھانے، اور اس کی غرض و غایت تک پہنچنے، اور اس زندگی کو جو اپنے خاص انداز اور عادت کے مطابق ایک ڈھڑے پر چل رہی ہے، ایمان و احتساب اطاعت و انقیاد کی اس زندگی میں تبدیل کرنے کا جو ایمانی رنگ میں رنگی ہوئی، اور اسلامی اخلاق سے آراستہ ہو، کیا طریقہ ہے؟ ایک مسلمان کہاں سے شروع کرے، اور کس چیز کو مقدم رکھے کہ خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو، اور محسوس طور پر حالات میں خوش آمد تبدیلی رونما ہو جس سے اس کا قلب و ضمیر مطمئن ہو سکے اور جس کو اس کے ہم نشین صاف طور پر محسوس کریں۔ اسی مقصد کی خاطر اور اسی سوال کے جواب میں مندرجہ ذیل چند تجربے اور مشورے پیش کئے جا رہے ہیں، امید ہے کہ کتاب کا سنجیدگی اور طلب صادق کے ساتھ مطالعہ کرنے والے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمت و عزیمت اور حقیقت پسندی اور خلوص کی دولت سے

نوازا ہے، ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکیں۔

سب سے پہلے یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اس کتاب کو اپنی زندگی کا دستور العمل، اور اپنے عقائد و اعمال کا گائیڈ و رہنما بنایا جائے، اس لئے نہیں کہ یہ ایسے مجتہد اور محقق عالم کی تصنیف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خاص علم سے نوازا ہے (جس میں دوسروں کا حصہ نہیں) کیونکہ سرے سے یہ واقعہ نہیں ہے، مصنف اپنی حقیقت بباط سے واقف ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ یہ کتاب ان ضروری و بنیادی اصول و مبادی دینی حقائق، اجماعی مسائل جن پر تمام مسلمان خاص طور پر اہل سنت و الجماعت متفق ہیں، اور رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کی سنتوں اور آپ کے اخلاق و شامل پر مشتمل ہے جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، اس لئے اس کتاب کا مطالعہ تفریح طبع یا معلومات میں اضافہ یا مصنف کے بارے میں مہارت و کامیابی، یا بے بضاعتی و ناکامی کا فیصلہ کرنے کے لئے نہ کیا جائے۔

مصنف محترم قارئین کے ساتھ اس بارے میں اپنے کو بھی شریک کرتا ہے، کیونکہ اس کتاب کے مضامین سے فائدہ اٹھانے کا وہ کچھ کم ضرورت مند نہیں ہے۔

۱۔ ہماری ابتداء اس سے ہونی چاہئے جس سے خدا تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب اور اس کے رسول - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - نے دین اور تبلیغ و رسالت کا آغاز کیا، ہم کو سب سے پہلے عقائد کی اصلاح، اور قرآن پاک کی روشنی میں (جو عقیدے میں کسی قسم کے فساد اور کمزوری کی گنجائش نہیں چھوڑتا) اپنے عقائد کا جائزہ لینا چاہئے، کیونکہ قرآن ہی وہ صاف و شفاف آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنا چہرہ اور اپنے خطا و خال واضح طور پر دیکھ سکتا ہے، پیش نظر کتاب میں محض خدا تعالیٰ کے فضل و انعام سے اس سب کا

خلاصہ وعظرا گیا ہے جو قرآنی تعلیمات، نبوی تلقینات و ہدایا اُن علمائے اہل سنت کی تحقیقات کا پتھر ہیں، جو افراط و تفریط اور غلو و تکرّف سے محفوظ ہیں۔

۲۔ مشروع عبادتوں اور اسلام کے چاروں عملی ارکان کا ظاہری و باطنی اور جسمانی و روحانی طور پر پورا اہتمام کریں اور اس بارے میں بقدر استطاعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور پوری ذمہ داری اور بخندگی کے ساتھ آپ کے طریقہ عمل، آپ کے اسوہ... اور سنتوں کو معلوم کریں، کیونکہ آپ ہی ان کا اعلیٰ ترین نمونہ اور جامع و مکمل اسوہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی۔ چہ جائیکہ عبادات۔ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ

تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے

حَسَنَةً لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ

یعنی اس شخص کو جسے خدا سے ملنے اور

الْآخِرَةِ وَكَرَّهَتِ السُّرُورَ

روز قیامت کے آنے کی امید ہو اور

(الاحزاب - ۲۱) وہ خدا کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔

جس قدر ہم آپ کا اتباع کریں گے اور جس قدر آپ کی تقلید و اتباع میں ہم کامیاب ہوں گے اسی قدر ہماری عبادات کامل اور خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہوں گی، کتب حدیث اور صحیح احادیث کے مجموعوں نے آپ کی ان عبادات دینی فرائض اور دعوت و جہاد کی چھوٹی بڑی بات سنت، معمول اور عادت کا ایسا مکمل ریکارڈ رکھا ہے جس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال اور آپ کے طریقہ کار کے مطابق

عمل ہونے کے بعد ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ یہ عبادات، خاص طور پر نماز اپنی حقیقت

آراستہ اور اپنی روح و طاقت سے معمور ہوتا کہ اخلاق و اعمال، اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں اس کے نتائج و اثرات ظاہر ہوں، اور وہ قرب الہی، یقین، معرفت اور خدا کی محبت میں اضافہ کا طاقتور اور مؤثر ذریعہ ہو۔

۳۔ عقائد، فرائض اور حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا مسئلہ مقدم اور سب سے اہم ہے یہ بات محقق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق معاف کر دے گا، لیکن بندوں کا اپنے حقوق و مطالبات کو معاف کرنا بندوں ہی کے اختیار میں ہے، بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ذمہ اپنے کسی (مسلمان) بھائی کا مطالبہ ہو، عزت و ناموس کی بات ہو، یا کسی اور قسم کی چیز تو آج ہی اس دنیا میں اس سے صفائی کر لے، اس سے پہلے کہ جب نہ دینا ہو گا نہ درہم، اگر اس (مدعی علیہ) کا کوئی نیک عمل ہو گا تو اس کے بقدر مدعی کے مطالبہ اور حق سے لیا جائیگا، اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر عیاں ہو جائیں گے، مسلم کی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ شہید کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، سوائے قرض کے (کہ وہ اس پر باقی رہے گا) آپ نے فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھے اس کی خبر دی ہے، مسلم ہی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کی ایک مجلس میں سوال فرمایا کہ جانتے ہو کہ کنگال اور تہی دست کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں کنگال اور تہی دست اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ نقد ہو نہ سامان، آپ نے فرمایا: میری امت میں (صحیح معنی میں) مفلس (کنگال) وہ ہے جو قیامت کے دن نہ ساز، روزہ، زکوٰۃ سب لے کر آئیگا، لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا تو ان کو قیامت میں اس کی نیکیاں ملے۔ مثلاً مالیات کا مسئلہ، جائداد، فرض وغیرہ۔

دے دی جائیں گی، جب نیکیاں بھی ختم ہو جائیں گی اور اس پر مطالبہ باقی ہوں گے، تو اس کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر وہ جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔

اسی خطرہ سے بچنے اور اپنا حساب صاف رکھنے کے لئے صفائی معاملات کی ضرورت ہے

اس کے مسائل و احکام سے واقفیت اور اس میں اہتمام و احتیاط کی ضرورت ہے۔

ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں (جن کی تائید میں آیات قرآنی بھی ہیں) ہم کو غیر جانبدار اور محتسبانہ انداز سے اپنے پچھلے اور موجودہ حالات و معاملات پر غور کرنا چاہئے، اگر کسی کا کوئی حق یا مطالبہ ہمارے ذمہ رہ گیا ہو، قرض ہو، بیع و شرا کا معاملہ ہو، مشترک جائیداد کا قصہ ہو، ترکہ و میراث ہو، یا کسی مسلمان کی دل آزاری کی ہو، یا حق تلفی یا تہمت و غیبت اسی دنیا میں اس کو صاف کر لینا چاہئے، یا تو اس کا حق دے دیا جائے، یا اس سے (برضا و رغبت) معاف کرا لیا جائے، یا بھی معاملات و حقوق کے بارے میں ہم سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے، اور اکثر وہ ہمارے ذمہ باقی رہ جاتے ہیں، احادیث مذکورہ کی روشنی میں یہ مسئلہ بڑا اہم اور پہلی فرصت میں قابلِ توجہ ہے۔

۴۔ اس کے بعد ہم تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس، قلب کو رذائل سے پاک کرنے اور محاسن سے مزین کرنے کی فکر کریں، اس لئے کہ اخلاق رذیلہ وہ دبیز پردے ہیں جو تعلیمات نبوی سے فائدہ اٹھانے اور ”صبغة الشہ“ میں رنگ جانے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں، یہی انسان کو ہوا و ہوس کا شکار اور بازیچہ شیطان بنا دیتے ہیں، یہی دینی خطرہ اور ہلاکت کا سبب بنتے ہیں، قرآن میں ارشاد ہے:-

أَفَرَأَيْتَ مِنَ الْخَافِضِينَ
بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے

لے صحیح مسلم

خداوند (الحاشیہ ۲۳) اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم کو کتاب و سنت اور تعلیمات نبوی کے معیار کا پابند ہونا چاہئے اور نفس و اخلاق کے تزکیہ میں انہیں کے قول کو قول فیصل قرار دینا چاہئے۔

انسان خواہ کتنا ہی دور اندیش اور باریک بینی ہو، آئینہ ہی میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے، خوش بخت وہ ہے، جو اپنی کمزوریوں اور ان اخلاقی امراض سے جیسے کبر، حسد، حرص و طمع، بخل، کینہ، عداوت، دنیا کی محبت، دولت کے عشق اور ہوس، اور مسلمان کی تحقیر و ذنات جیسے اخلاقِ رذیلہ سے واقف ہو، اور ان کے ازالہ اور ان سے خلاصی کی فکر رکھتا ہو، اور ان سے اسی طرح نبرد آزما ہو جیسے اپنے جانی دشمن سے ہوتا ہے، اور وہ شخص بڑا قسمت وراور خوش نصیب ہے، جس کو کوئی ایسا ربانی عالم اور طبیبِ حاذق میسر آجائے، جو اس کو متنبہ کرے، اور ان بعض اخلاقی کمزوریوں اور مخفی بیماریوں سے آگاہ کرے اور ان سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ تجویز کرے اور اس کو آسان اور ممکن العمل بنا دے اس کا نور باطن مستفید و مرہن میں سرایت کرے، اس کی صفات و خصوصیات کا اس پر پرتو پڑے اس کے محاسبہ نفس اور خوف و خشیت کو دیکھ کر وہ عبرت اور سبق حاصل کرے۔

قدیم زمانہ میں صحبت سب سے آسان طریقہ علاج تھا، اور بڑے بڑے ائمہ فن اور علماء خدا کے ایسے مخلص و ربانی بندوں کی تلاش میں رہتے تھے، خواہ وہ علم میں ان سے کم مرتبہ ہی کیوں نہ ہوں، کیوں کہ ان کو ان کی مجلس اور صحبت میں وہ کچھ ملتا تھا، جو اصلاح حال و تربیت باطنی میں مدد و معاون تھا، نفس اور شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہوتا، امام احمد بن حنبل کے صاحبزادہ نے ایک مرتبہ اپنے والد ماجد سے اس بات کی

شکایت کی کہ وہ محض ایسے لوگوں کی مجالس و عظمت و تذکیر میں شریک ہوتے ہیں جو علم میں ان سے فروتر اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ کرنے کے مستحق ہیں اس سے ان کو شرم ہوتی ہے اور بعض مرتبہ لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے امام عالی تبار نے فرمایا: یا بُنَّیَّ اِنَّمَا یَجْلِسُ الْمَرْءُ حِیْثُ یَجِدُ مِیْلَاحَ قَلْبِهِ بیٹا آدمی وہیں بیٹھتا ہے جہاں اپنے قلب کا نفع دیکھتا ہے۔ باوجود روز افزوں اور عام فساد کے کوئی زمانہ بھی ایسے ربانی علماء اور اہل قلوب سے (اگرچہ ان کا وجود کسی دور میں کثیر اور کسی دور میں قلیل رہا ہے) خالی نہیں رہا لیکن جس کو کسی سبب سے ایسی صحبت نہ مل سکی ہو وہ اپنے نفس اور باطنی حالات پر خصوصی توجہ دے اور ایک صاحب بصیرت نقاد یا غیر جانبدار حکم یا اتالیق بن کر اس کا جائزہ لیتا رہے اور اپنی روحانی بیماریوں اور کمزوریوں سے واقف ہونے کی کوشش کرے ارشاد قرآنی ہے:-

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝

وَلَئِذَا لَقِیَ مَعَاذِیْرَهُ ۝ (القیامہ ۱۵، ۱۶) عذر و معذرت کرتا رہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ انشاء اللہ اپنے اندرون میں پائی جانے والی اخلاقی کمزوریوں اور ان گہری خندقوں اور دلدلوں سے واقف ہو جائیگا (جہاں عرصہ سے پانی جمع ہو رہا ہے) اور اس کی عفونت حیات انسانی یا معاشرہ میں پھیل رہی ہے) پھر کتاب و سنت اور اس امت کے ربانی علماء اور حاذق مربیوں کے تجربات اور ہدایات کی روشنی میں ان کے علاج کی فکر کرے، علماء اسلام نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے اور ہزار ہا ہزار مسلمانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے، مثال کے طور پر امام غزالیؒ کی "اجیاء العلوم"

لاحظہ فرمائیے جو احیاء العلوم کی فصل ریح المہلکات یا ابن قدامہ مقدسیؒ کی مختصر منہلج القاصدین کا باب

"ریاضۃ النفس و تہذیب الخلق و معاہجۃ امراض القلب"

علامہ ابن جوزیؒ کی "تلبیس ابلیس" اور علامہ ابن قیمؒ کی "اغاثۃ اللہفات فی مکاید الشیطان" اور مدارج السالکین بنی منازل ایاک نعبد و ایاک نستعین" علامہ ابن رجبؒ کی "جامع العلوم والحکم" شرح خمین حدیثا من جوامع الکلم" حضرت سید احمد شہیدؒ کی "صراط مستقیم" حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی "تربیۃ السالک" کے مطالعہ کا خاص طور پر مشورہ دیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ذکر و دعا کی کثرت اور ان خطرناک روحانی امراض کے مہلک نتائج سے اندیشہ و خوف اور اپنے نفس پر بے اعتمادی اور اس سے بے اطمینانی، غفلت اور غافلوں اور روحانی و قلبی امراض میں گرفتار نفسانی تاویلات اور شیطانی مکر و فریب کے دھوکہ میں مبتلا لوگوں کی صحبت سے اجتناب مفید و معاون ہوگا، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ

اور جو کوئی خدا کی یاد سے آنکھیں بند

نَقِصَ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ

کرے (یعنی تغافل کرے) ہم اس پر

(الزخرف - ۳۶) ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا

ساتھی ہو جاتا ہے۔

عقائد کی تصحیح، عبادات اور ممکنہ تزکیہ نفس اور ذائل اخلاق سے اس کی حفاظت کی تکمیل کے بعد اپنی پوری زندگی، صبح و شام، اخلاق و معاملات اور امکانی حد تک عادات و شائل میں بھی سیرت نبویؐ کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، زندگی کے لئے اس کو شعلِ راہ، تمام اعمال اور حرکات و سکنات میں اسوہ و نمونہ بنانا چاہئے، اور

لے مثال کے طور پر تلبیس ابلیس کا چھٹا، آٹھواں اور بارہواں باب دیکھئے۔

لے مثال کے طور پر باب "مکاید الشیطان" کی تیرہویں فصل دیکھئے۔

مقدور بھراس پر عمل کرنے اور اس کے اتباع کی کوشش کرنا چاہئے تاکہ خدا تعالیٰ کے اس فرمان و وعدہ سے کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب ہو:-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبُّكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم
خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی
(آل عمران - ۳۱) کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا

اور تمہارے گناہ معاف کر دیے گا۔

۵۔ ارکان ثلاثہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ) کے ضروری دینی احکام و مسائل، حلال و حرام، جائز و ناجائز، فرائض و واجبات و سنن، صحیح و فاسد معاملات اور حدود و شرعیہ سے واقفیت کی بھی ضرورت ہے، خاص طور پر جو پیشہ یا مشغلہ زندگی اختیار کیا ہے اس کے متعلق احکام شرعیہ کیا ہیں ان سے واقف ہونا اور ان پر عمل کرنا ایک خدا ترس، فرض شناس اور آخرت کی فکر رکھنے والے مسلمان کے لئے ناگزیر ہے اس کے لئے فقہ و مسائل کی کوئی معتبر کتاب جو معتبر و سچ عالم حقانی کی تصنیف ہو اور اپنے زمانہ کے قابل اعتبار علماء اس کو مستند سمجھتے ہوں، مطالعہ میں رکھنے کی ضرورت ہے۔

۶۔ ہم میں سے بہت سے لوگ صحیح احادیث میں وارد و صنوع، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے، بیت الخلاء جانے اور وہاں سے آنے، سونے اور جاگنے کے وقت کی دعائیں، صبح و شام کے اذکار اور سفر شروع کرنے اور سفر سے واپس آنے کی دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن اس کا خدشہ ہے کہ یہ اہتمام ان کے فضائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر جس ثواب کا ذکر فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ کے ہاں ان کی جو قدر و قیمت اور مقام ہے

لے جے کے مسائل کثیر و دقیق اور عملی ہیں ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا حج کے بغیر عام مسلمانوں کے لئے دشوار ہے۔

اور آخرت میں ان کے جو فوائد ہیں اس کے استحضار کے بغیر ہوا اور غفلت رہے تو جہی میں یا بطور عادت یا (جدید تعبیر کے مطابق) ٹیپ ریکارڈر کے طریقہ پر یہ سارے کام ہو رہے ہوں، بعض عبادتوں کے بارے میں جن کا مشروع عبادت یا فرض و واجب ہونا سب کو معلوم ہے، خاص طور پر یہ شرط بھی ذکر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر جس اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا اس کی لاپچ اور اس پر یقین کے ساتھ عمل کیا گیا ہو، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

www.KitaboSunnat.com

من صام رمضان إيماناً واحتساباً
جو خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے
غفر له ما تقدم من ذنبه۔
اور ثواب کی امید میں رمضان کے روزے
رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے
جائیں گے۔

ومن قام ليلة القدر إيماناً
اور جو خدا کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے
واحتساباً غفر له ما تقدم من
اور ثواب کی امید میں شب قدر میں عبادت
ذنبه۔
کئے اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

لیکن ہم میں سے بہت سے لوگ اس اہم صفت اور اس شرط کا جو عبادت اور عبادت کے درمیان فرق کرتی ہے، زیادہ خیال نہیں رکھتے، جس کا نتیجہ ہے کہ بہت سی عبادات جن میں ارکان اسلام نماز، زکوٰۃ، اور روزہ اور حج بھی ہیں، ایک لگے بندھے طریقہ (ROUTINE) اور عادت بن کر رہ گئے ہیں جو روح سے خالی اور ایمان و احتساب کی کیفیت سے محروم ہیں۔

لے ایمان و احتساب کی شرح بخاری شریف کی حدیث میں آئی ہے، جو بروایت حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص انھوں نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چالیس اعمال ہیں، (باقی صفحہ ۲۲۳ پر)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اس امت کے صلحاء و ربانی علماء اور عوام الناس کے درمیان بڑا فرق انھیں فضائل کے استحضار اور ان اعمال اور اذکار و اوراد کے اندر ایسی ایمان و یقین کی کیفیات، جو ذہن و دماغ پر چھا جائیں، اور اس شوق و ذوق کے جو دل کی گہرائیوں سے پھوٹا پڑتا ہو اور خدا تعالیٰ کے ہاں ان کی قدر و قیمت، مقام و اہمیت کے عمیق احساس کے ساتھ ادائیگی اور اہتمام سے تھا، مثلاً جب وہ وضو کرتے، جو دن و رات میں بار بار ہوتا ہے، اور ہم سے بہت سوں کی زندگی میں وہ ایک روٹین، اور مشینی عمل ہو گیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیتے:-

اذا توضأ العبد المسلم أو المؤمن	جب مسلمان یا مؤمن بندہ وضو کرتا ہے
فغسل وجهه فخرجت من وجهه	پھر اپنا چہرہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ
كل خطيئة نظر اليها بعينه من	پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے چہرہ
الماء أو مع آخر قطر الماء أو نحو هذا	سے وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جو اس نے اپنی آنکھ
وإذا غسل يديه فخرجت من يديه	سے کیا تھا، اور جب اپنا ہاتھ دھوتا ہے
كل خطيئة بطشتها يداه مع الماء	تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ
أو مع آخر قطر الماء حتى يخرج	کے ساتھ وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جو ہاتھ سے
نقيما من الذنوب.	کیا تھا، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے

صاف و پاک ہو کر نکلتا ہے۔

(باقی صفحہ ۲۲۲ کا) جن میں سب اعلیٰ عمل کسی کو مدد کی نیت سے بکری دینا ہے، جو شخص بھی ان میں سے کوئی عمل ان کے ثواب کی امید اور ان پر اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق کے ساتھ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ لے ترمذی شریف۔ باب ما جاء في فضل الطهور۔

وہ رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی خبروں پر ایسا یقین رکھتے
 جیسے اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہوں اور اسی موعود ثواب کی حرص اور شوق میں وہ کام انجام
 دیتے ان کا یہی حال اس وقت ہوتا تھا جب کہیں مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملتے، اور خوشی
 و بشارت کا اظہار کرتے، یہی حال اپنی تجارتوں، پیشوں اور زندگی کے تمام کاموں میں
 ملتا، وہ جو کام بھی کرتے وہ اسی اجر و ثواب اور رضائے الہی کی حرص اور شوق میں کرتے،
 لہذا ان کی عبادتیں، عبادتیں بن جاتیں، اور عبادتیں سب طاعتیں ہو جاتیں، اگر اس شخصاً
 کا ہم اہتمام کریں، اور ہماری عبادات اذکار و اوراد، ایمان و احتساب کی کیفیات سے
 لبریز اور اپنی روح و حقیقت سے بھرپور ہوں تو جو کام ہم کرتے رہے ہیں، اور بچپن ہم جن کے
 عادی اور خوگر بن گئے ہیں، وہ استحضار و احتساب کی کیفیت کے ساتھ کریں گے، تو کوئی
 اور ہی اثر اور نورانیت پیدا کریں گے، اور ہم اپنی زندگی میں ان کا کھلا ہوا اثر محسوس کریں گے،
 یہ بات (ایمان و احتساب) صرف عبادات کے ساتھ مخصوص نہیں، رزق حلال کے
 حصول اور ذرائع معاش، ملازمت، تجارت، زراعت یا دوسرے حرفوں اور پیشوں
 میں بھی ہماری نیت رضائے الہی کی ہونی چاہئے، یہی دراصل اس صحیح حدیث کا مفہوم
 ہے، جو بعض محدثین کے نزدیک درجہ تواتر و شہرت تک پہنچی ہوئی ہے، اور جس سے
 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم کتاب کا آغاز کیا ہے، وہ حدیث نیت ہے:-

انما الاعمال بالنیات و انما لكل امرئ ما نوى.

کونسی نے گا جس کی اس نے نیت کی۔

امری ما نوى۔ الخ

یہ ان احادیث میں سے ایک حدیث ہے، جن پر دین کی اساس و بنیاد ہے،

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ یہ حدیث ایک تہائی علم ہے، اور فقہ کے ستر البواب سے اس کا تعلق ہے۔

بشت محمدی۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عظیم اور ناقابل فراموش احسان اور گرامی قدر تحفہ اور اس کا وہ انعام جس کا انسان طالب تحس ہے اور جس کو شایع علیہ السلام نے ایک مفرد اور سادہ لیکن نہایت بلیغ و عمیق لفظ "نیت" سے ادا کیا ہے ارشاد ہے:-

انما الاعمال بالنیات وانما
نکل امری ما نوی۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور
ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس کی نیت ہے۔

لہذا ہر وہ عمل جس کو انسان صرف رضائے الہی اور جذبۂ اخلاص اور طاعت و فرمانبرداری کے ساتھ انجام دے، وہ قرب الہی اور یقین و ایمان کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور وہ دین خالص ہے جو ہر شائبہ سے پاک ہے خواہ وہ عمل راہ خدا میں جہاد و قتال ہو یا حکومت و انتظام یا دنیا کی نعمتوں سے استفادہ ہو یا نفس کے جائز تقاضوں کی تکمیل یا رزق حلال و ملازمت کی کوشش ہو یا جائز تفریح طبع کا سامان یا عائلی اور ازدواجی زندگی سے لطف اندوزی ہو اس کے برعکس ہر وہ عبادت یا دینی خدمت دنیا داری سمجھی جائے گی، جو رضائے الہی کی طلب خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر ایمان اور ان کی تعمیل سے خالی ہو اور غفلت و آخرت فراموشی کی دبیز پڑے اس پر پڑے ہوں خواہ وہ عمل فرض نماز، ہجرت و جہاد، ذکر و تسبیح اور راہ خدا میں شہادت ہی کیوں نہ ہو ایسے عمل کا کرنے والا ہر شخص خواہ عالم و مجاہد ہو یا داعی و مبلغ اس کو ثواب سے محرومی کا سامنا کرنا ہوگا، بلکہ خطرہ ہے کہ یہ اعمال اور خدمات اس کے لئے وبال اور اس کے اور خدا کے درمیان حجاب نہ بن جائیں۔

لے کتب حدیث دلائل و شواہد سے اس کی تائید میں بھری ہوئی ہیں، ملاحظہ فرمائیے، ابواب اخلاص، نیت اور ایمان و احتساب۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ ہے کہ آپ نے دین دنیا کے درمیان کے وسیع خلا کو چر کر دیا اور ان دونوں کو جوڑ کر کیمپوں میں بانٹ دیئے گئے تھے، ہونہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جدا تھے اور ان کے درمیان ایک موٹی سرحد می لکیر اور ایک وسیع خلیج حائل تھی، بلکہ یہ دونوں خانے ایک دوسرے سے متضاد اور دونوں کیمپ باہم متخارب تھے، دونوں میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی، اور ایک دوسرے سے قطع تعلق اور اعلان جنگ کرنا ضروری تھا، باہم شیعہ و شکر گردیا اور وہ الفت و محبت اور مکمل سلامتی و ہم آہنگی کی فضا میں سانس لینے لگے، آپ داعی وحدت و اتحاد بھی ہیں اور "بشیر و نذیر" بھی، آپ نے دو متخارب گروہوں کو نوع انسانی کو نکال کر ایمان و احتساب انسانیت پر شفقت و رحمت اور طلب رضائے الہی کے متذکرہ پر لا کھڑا کیا اور ہمیں اس جامع بلیغ و معجز اور ہمہ گیر دعا کی تلقین کی :-

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ

(البقرہ - ۲۰۱) محفوظ رکھیو۔

آپ نے اعلان فرمایا :-

اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي
بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

جینا اور میرا مناسب خدا کے

(الانعام - ۱۶۲) رب العالمین ہی کے لئے ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن کی زندگی تضاد و متفرق گروہوں کا مجموعہ

نہیں ہے، بلکہ یہ ایک وحدت ہے جس پر عبادت و احتساب کی روح چھائی ہوئی اور
 خدا کی ذات پر ایمان و یقین اور اس کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری اس کی
 رہنما ہے، یہ زندگی تمام شعبوں، جدوجہد کے ہر میدان اور عمل تمام قسموں پر محیط
 ہے، بشرطیکہ اخلاص، صحیح نیت اور رضائے الہی کی سچی طلب پائی جاتی ہو،
 اور انبیائے کرام کے طریقہ پر اس کو انجام دیا گیا ہو اس سے معلوم ہوا کہ آپ
 کامل و مکمل طور پر رسول و وحدت الفت و یگانگت اور محبت و ہم آہنگی کے
 پیغامبر اور بیک وقت "بشر" و "مذیر" ہیں، آپ نے دین و دنیا کے تضاد کے
 نظریہ کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت میں اور پورے رشتے زمین کو ایک وسیع
 عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا، دنیا کے انسانوں کو متحارب کمیوں سے نکال کر
 حسن عمل، خدمت خلق، حصول رضائے الہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کر دیا، یہاں
 لباس دنیا میں درویش، قبائے شاہی میں فقیر و زاہد، سیف و بیچ کے جامع ارشاد
 کے عبادت گزار اور دن کے شہسوار نظر آئیں گے اور ان کو اس میں کسی قسم کا
 تضاد محسوس نہیں ہوگا۔

۷۔ مناسب یہ ہے کہ قرآن پاک کا ایک ورد متعین کر لیا جائے جس کی بقدر استطاعت
 پابندی کی جائے، کسی بیماری یا شدید مجبوری کے علاوہ اس کو کبھی ترک نہ کیا جائے اور
 کلام الہی کی تلاوت میں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
 وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّهِ
 اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا
 ہے نہ پیچھے سے اور دانا اور خوبوں والے

حَکِیْمٌ حَسِیدٌ (حم السجدہ - ۲۲) خدا کی اتاری ہوئی ہے۔

جو وقت اس میں صرف ہو اس کو حاصل عمر اور سعادت و برکت کا سب سے قیمتی وقت سمجھا جائے اور اس وقت ہم اپنے کو خدا تعالیٰ سے بہت قریب سمجھیں ہمارا رویہ و راہنمائی اس پہاڑ سے کم نہ ہو جس کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ
لِّرَاٰیْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ
خَشٰیَةِ اللّٰهِ (الحشر - ۲۱) پھٹا جاتا ہے۔

حالانکہ وہ جماد ہے اور ہم اشرف المخلوقات انسان جس کو خدا تعالیٰ نے ایمان اور قرآنی خطاب کی دولت سے نوازا ہے اور جس کے بعض افراد کے بارے میں فرمایا ہے:-

وَإِذَا تُلِیْتُ عَلَیْهِمْ آیٰتُنَا زَادَتْهُمْ
إِنْعَانًا وَهَلٰی رَبِّهِمْ سَوَکُلُوْنَ
(الانفال - ۲) اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اور فرمایا ہے:-

اللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا
مُّتَشٰبِهًا مَّثَانِیًۖ فَا تَقَشِّعُ مِمَّنْهُ
مُلُودٌ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ
تَلٰیْنِ مُلُودَهُمْ وَقُلُوْا بِهِمْ اِلٰی ذٰکِرٍ
اللّٰهُ

خدا نے اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں یعنی کتاب جس کی آیتیں باہم ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے اس سے رنگے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہلکے)

خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ (الزمر - ۲۳)

سلف صالحین میں قرآن سے استفادہ اور ان کی زندگی میں اس کے اثرات ظاہر ہونے میں جو تفاوت اور ایک دوسرے پر جو امتیاز و غصیلت تھی، وہ محض قرآن کے معانی و مطالب اور مضمرات پر غور کرنے کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ خدا تعالیٰ کے جلال و کمال اور اس کی عظمت و کبریائی انسانی فہم و ادراک سے اس کلام کی بلندی و اعجاز اور اس کے جمال و دلآویزی اور چاشنی و لذت کا نتیجہ تھا۔

اس سلسلے میں دو چیزیں مفید ہیں: (۱) ایک تو قرآن کے فضائل، قرآن کی تلاوت کے فضائل اور اس کے نتیجے میں جو قرب و رضاۓ الہی، اجر و ثواب اور آخرت میں جو نفعیں ملیں گی ان سے واقفیت اور ان کا استحضار و یقین۔

(۲) دوسرے صحابہ کرام، تابعین، فقہاء و محدثین، علماء ربانی اور اہل اللہ و ادبیات کا ملیں کی تلاوت، تدبیر قرآن اور قرآن کے ساتھ ان کے ادب و انعام کے واقعات کا مطالعہ۔ یہ بھی بہت مفید اور سودمند ہے اور تجربہ سے اس کی تائید بھی ہوئی ہے کہ ہم قرآن پاک سے (امکانی حد تک) براہ راست تعلق قائم کریں، اس طرح کہ ہمارے اور کلام اللہ کے درمیان مستقل طور پر کوئی انسانی افہام و تفہیم اور شرح و تفسیر حجاب نہ بن جائے جس پر انحصار کر لیا جائے اور جو قرآن سے اس طرح پیوست ہو جائے کہ اس کو الگ کرنا یا اس سے خالی الذہن ہونا مشکل ہو جائے اور ہم قرآن کا مطالعہ اسی خاص افہام و تفہیم یا تفسیر کی روشنی میں کریں جو بعض علماء اور خاص طور پر متاخرین علماء نے پیش کی ہے، اور اس کے عکس اور

لے اس سلسلے میں خاص طور پر حافظ محمد بن نصر مروزی بغدادی کی، جو امام احمد کے کبار تلامذہ میں ہیں، کتاب "قیام الیل" کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، اردو و ان حضرات کے لئے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فضائل قرآن" کا مطالعہ کافی ہے۔

سائے، اس کے خاص میلانات اور رجحانات اور جدید حالات و ماحول کے اثرات قرآن کے جمال حقیقی، اس کی بلندی و اعجاز اور اس کی اصلیت و نکھار کو متاثر کرنے لگیں جس طرح تناور اور گھنے درختوں کے صاف و شفاف چشموں پر سائے پڑتے ہیں اور نتیجتاً قرآن کے جلال و جمال سے متاثر کے ساتھ۔ لاشعوری طور پر۔ قاری کسی خاص تفسیر۔ مفسر کی شخصیت اور مطالب قرآنی کی شرح و تفسیر پر اس کی قدرت سے اسی درجہ متاثر ہوتا چلا جائے۔

اس قاعدہ کلیہ سے تفسیریں مستثنیٰ ہیں جو صحیح احادیث میں رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یا صحابہ کرام اور ائمہ اسلام سے قرآن کے بعض مفردات اور مشکل مقامات کی شرح میں منقول ہیں، اسی طرح وہ لغات و معاجم قرآن اور کتب تفسیر بھی مستثنیٰ ہیں جن کی ضرورت قرآن کا عمیق علمی مطالعہ کرنے والے اور خاص طور پر عجیب لوگوں کو پڑتی ہے، قرآن کی تلاوت اور اس کی تلاوت و چاشنی محسوس کرنے کی پورے خشوع و خضوع، عظمت و احترام اور صاحب کلام کی صفات کے استحضار کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے، مذکورۃ الصلہ قاعدہ سے وہ لوگ بھی مستثنیٰ ہیں جو فن تفسیر کے اصحاب اختصاص علماء ہیں، یا تفسیر کے موضوع پر تصنیف و تالیف یا تدریس اور بحث و تحقیق کا کام کرتے ہیں، یا جن کو اس کی ضرورت ہو کہ تفسیر کے تفصیلی مباحث کا مطالعہ کریں، اور اس کی گہرائیوں میں اتریں، بہر حال ہر مسلمان اور ہر قاری قرآن کو نہ اس کی ضرورت نہ گنجائش۔

۸۔ حضور اکرم۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سے قلبی تعلق و رابطہ مضبوط کرنے، آپ کی محبت میں اضافہ کرنے، اور آپ کی اقتداء و اتباع کی خواہش کی تکمیل کے لئے حدیث شریف کی کتابوں اور ان کتابوں کا مطالعہ، مذاکرہ اور ان کے ساتھ اشتغال جو شمائل نبوی اور سیرت طیبہ کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، یہ قاعدہ ہے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی

رٹ لگاتا ہے اس کی یا دہین رہتا ہے اور جو شخص کسی کا کثرت سے ذکر کرتا ہے اس کے حالات کی تلاش و جستجو میں رہتا ہے اس کو بھی محبت سے حصہ وافر ملتا ہے اسی طرح ان اہل دل اور اہل محبت کے حالات و واقعات کا مطالعہ بھی مفید ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق سے حصہ وافر ملتا ہے ایسے عاشق و محبین کے حالات ان کے ملفوظات اور ان کے اشعار کا مطالعہ محبت و عشق کے پیدا کرنے میں عجب اثر رکھتا ہے اور اگر تخم محبت موجود ہے تو اس کی پرورش اور نشوونما میں مدد و معاون ہوتا ہے۔

اس طرح کثرت درود بھی بہت مفید ہے درود کی بڑی تاکید و قرآن پاک میں اس کی بڑی ترغیب آئی ہے ارشاد ہے:-

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى
النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب ۵۶) بھیجا کرو۔
خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود
بھیجتے ہیں مومنو! تم بھی ان پر درود کو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:-

لے اس سلسلہ میں عربی دانوں کے لئے قاضی عیاض کی اشغافی حقوق المصطفیٰ اور ابن قیم کی مجلاء الافہام کا مطالعہ مفید ہوگا اردو میں مولانا سید سلیمان ندوی کی خطبات مدراس قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری کی رحمة العالمین مولانا سید مناظر حسن گیلانی کی النبی الخاتم مدینہ طیبہ اور مسجد نبوی کے شوق و اشتیاق کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان کا مطالعہ بھی شوق انگیز اور محبت خیز ہوگا مثلاً مصنف کی کتاب کاروان مدینہ ان نعتیہ قصائد اور اشعار کا پڑھنا جو غلو و مبالغہ اور ان تمام خیالات سے پاک ہو جو شرک تک لیجاتے ہیں اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے بہت اثر رکھتا ہے مثلاً جامی، قدسی کا فارسی کلام، محسن کا کوروی، اقبال اور ظفر علی خاں کا نعتیہ کلام۔

من صلی علی صلاتہ صلی اللہ علیہ جو بھر پر ایک مرتبہ درود پڑھتا، اللہ تعالیٰ

بہا عشاء۔ (مسلم شریف) اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔

اور فرمایا:-

ان اولی الناس لی یوم القیامۃ قیامت کے دن سب سے زیادہ مجھ سے قریب

اکثرہم علی صلاۃ۔ (ترمذی شریف) وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھتا تھا۔

اور حضرت ابی بن کعبؓ نے جب دریافت کیا کہ (اپنے تمام اوراد کے بدلہ) آپ پر صرف درود ہی پڑھا کروں؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں تب تمہاری پریشانیاں دور ہو جائیں گی، اور گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

۹۔ بعض خاص اوراد و اذکار کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، جن سے ہماری زبان ترسے اور

جن کو ہم اپنا اور دنیا لیں اور ان کی پابندی کریں، علاوہ ان اذکار کے جو خاص اوقات اور خاص موقعوں کے لئے گذشتہ باب میں ذکر کئے جا چکے ہیں۔

۱۔ صاحبین امت، علمائے ربانین اور مخلص و قناعت شجرائے علم و دین کی

سیرت و سوانح کا مطالعہ کیا جائے جن کے صحبت عقائد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے کمال اتباع، کتاب و سنت سے واقفیت، نفس و شیطان کے شرور و مکاید سے آگاہی

آخرت اور آخرت میں کام آنے والی چیزوں کی فکر پر امت کا اتفاق ہے، علامہ ابن جوزی

جو بڑے ناقد محدث ہیں، اپنی کتاب "صیdanحاطر" میں لکھتے ہیں:-

"میں نے دیکھا کہ فقہ اور سماع حدیث میں انہماک و مشغولیت قلب میں صلاحیت

پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں اس کی تدبیر یہی ہے کہ اس کے ساتھ موثر واقعات اور

سلف صاحبین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے، حرام و حلال کا خالی علم

لے ترمذی شریف۔

قلب میں رقت پیدا کرنے کے لئے کچھ زیادہ سود مند نہیں، قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے، مؤثر احادیث و حکایات سے اور سلف صالحین کے حالات سے اس لئے کہ ان نقول و روایات کا جو مقصود ہے، وہ ان کو حاصل تھا، احکام پران کا عمل فکلی اور ظاہری نہ تھا، بلکہ ان کو ان کا اصلی ذوق اور لب باب حاصل تھا، اور یہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، وہ علمی تجربہ اور خود آزمائش کرنے کے بعد ہے، میں نے دیکھا ہے کہ عموماً محدثین اور طلبہ فن حدیث کی ساری توجہ اونچی سند حدیث اور کثرت مرویات کی طرف ہوتی ہے، اسی طرح عام فقہاء کی تمام تر توجہ حدیث اور حلیف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے، بھلا ان چیزوں کے ساتھ قلب میں کیا گداز اور رقت پیدا ہو سکتی ہے، سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور طریقہ کو دیکھنے کے لئے ملنے جاتی تھی..... علم کے استفادہ کے لئے نہیں، اس لئے کہ یہ طور و طریقہ اس کے علم کا اصلی پھل تھا، اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو اور فقہ و حدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہاد امت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو تا کہ اس سے تمہارے دل میں رقت پیدا ہو^۱۔

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”میں نے شاہیر اویام سلف و صالحین میں سے ہر ایک کے حالات و واقعات اور ادب و سلوک پر ایک کتاب لکھی ہے، حضرت حسن بصریؒ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، اسی طرح سفیان ثوریؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، بشر حافیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور معروف کرخیؒ وغیرہ علماء و زہاد کے حالات پر کتابیں لکھی ہیں“

مطلوب و مقصود کی توفیق خدا ہی کی طرف سے ملتی ہے اور کم علی کے ساتھ صحیح عمل نہیں ہو سکتا، دونوں کی حیثیت سائق (جانوروں کو پیچھے سے ہٹانے والے) اور قائد (ریوڑ کو آگے لے جانے والے) کی ہے اور نفس ان دونوں کے درمیان اپنی جگہ سے ٹلنا نہیں چاہتا، سائق وقائد دونوں ہی سرگرم عمل ہوں تو منزل ... ملے ہوتی ہے اور خدا کی پناہ سستی و کاہلی سے!

کم از کم یہ درجہ ہے کہ ان گزرے ہوئے اصحاب صدق و صفارہ خدا کے داعی و مبلغ (ان کے ہاتھوں پر ملک کے ملک مسلمان ہوئے اور قوموں کی قومیں داخل اسلام ہوئیں جن کو دین کی حقیقت اور اس کالت بابت حاصل تھا) کے متعلق ہمارے دلوں میں کوئی کدورت ذرہ بھر ہو اور ان کے احسانات کے اعتراف ان کے لئے دعا، ان کی تعریف ان کے لئے عذر خواہی اور ان کی ان لغزشوں سے چشم پوشی جن سے نہ کوئی انسان خالی ہوتا ہے اور نہ کوئی مجتہد معصوم، ہمارا شعار ہو، اللہ تعالیٰ نیک اخلاف کی مدح و توصیف کے موقع پر ارشاد فرماتا ہے :-

اور ان کے لئے بھی جو ان مہاجروں کے	وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ
بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے	إِنَّا غَضَبْنَا عَلَىٰ قُلُوبِنَا إِنَّهُم سَاهَوْنَ
اور ہمارے بھائیوں کا جہم سے پہلے ایمان لائے ہیں	سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي
گناہ مشاقرما اور مومنوں کی طرف ہمارے دلوں	قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ
میں کینہ و حسد نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے	رَبُّنَا رَحِيمٌ

پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

(الحشر - ۱۰)

اس آیت کریمہ کا تقاضہ ہے کہ ہم امت کے اسلاف اور ایمان و احسان میں سبقت کرنے والے لوگوں کے بابے میں بہت محتاط رہیں، بلکہ آدابِ قرآنی اور تعلیماتِ نبوی کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہر مسلمان کے متعلق فیصلہ صادر کرنے میں پوری احتیاط ملحوظ رکھی جائے، نہ جلد بازی اور جذباتیت سے کام لیا جائے، نہ اس وقت تک قطعیت و یقین کے ساتھ کوئی بات کہی جائے، جب تک معاملہ روز روشن کی طرح حیاں اور جب تک یقینی اور قابلِ اعتماد ذریعوں سے معلوم نہ ہو جائے۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ

مومنو! اگر کوئی بدکار تمہارے پاس کوئی

فَاسِقٌ يُنَادِي بِفِتْنَةٍ أَوَّانٌ تُصِيبُوا

خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو

قَوْمًا بِمَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ

(مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان

نِدْمِينَ ۝ (الحجرات - ۶) پہنچا دو پھر تم کو اپنے کئے پر نام ہونا پڑے۔

۱۱۔ ہم اپنی زندگی میں جن چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں، ان میں دعوت و تبلیغ کا بھی

ایک حصہ رکھیں، یہی انبیاء کے کرام کی بعثت کا مقصد اویں تھا، اسی لئے آسمانی کتابوں کا

نزول ہوا، اور یہ امت برپا کی گئی، ارشاد خداوندی ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

(مومنو) جتنی امتیں یعنی قومیں لوگوں

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ

میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے

(آل عمران - ۱۱۰) کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر

ایمان رکھتے ہو۔

اور ارشاد ہے:-

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى
الْخَيْرِ قِيَامُ رُفُونٍ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے
جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے
کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے
(آل عمران - ۱۰۴) منع کرے۔

لیکن اصلاح اور دعوت و تبلیغ کی کوئی خاص شکل یا متعین میدان یا لگانہ بندھا
کوئی ایسا نظام نہیں جس کو تبدیل کرنا یا اس سے ہٹنا ناجائز ہو، بلکہ یہ ان فرائض دنیہ
میں سے ہے جن کا کوئی متعین نظام یا خاص شکل منصوص نہیں ہے۔
حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:-

إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا
میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا۔
(نوح - ۵)

پھر آگے چل کر کہتے ہیں:-

ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ
لَهُمْ إِسْرَارًا
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا:-
اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح
(نوح - ۹) سمجھاتا رہا۔

أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (النحل - ۱۲۵)
(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک
نصیحت سے اپنے پروردگار کے

اے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صفت کار سالہ "حکم الدعوة وصفة الدعاة" اور "تبلیغ و دعوت کا سحرانہ
اسلوب" البتہ جتنا یہ طریقہ اسوۂ نبوی اور صحابہ کرام کے طرز کے مشابہ ہوگا، اس کا درجہ بلند ہوگا۔

رستے کی طرف بلاؤ۔

اسی طرح یہ بھی ہمارا ایک فریضہ اور دینی ذمہ داری ہے کہ ہماری زندگی (قوموں حکومتوں اور معاشروں کے) پیانہ پر مسلمانوں کے حالات کی فکر، ان کے غموں اور خوشیوں اور زندگی کے تلخ و شیریں واقعات میں ان کے ساتھ شرکت سے خالی نہ ہو، ہم جہاں بھی ہوں، پوسے اسلامی خاندان کے ساتھ امیدوں، آرزوؤں، احساسات اور جذبات میں شریک رہیں، صحیح حدیث میں آیا ہے:-

مثل المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم
مسلمانوں کی مثال اپنے آپس کی شفقت

وتعاطفهم کمثل الجسد الواحد
افت و محبت اور ہمدردی میں یک

اذا اشتكى منه عضو تداعى
جسم کی سی ہے کہ اگر اس کے کسی عضو میں

له سائر الجسد بالسهر والحمى
تکلیف ہو تو سارے اعضاء بے خوابی

(بخاری و مسلم) اور بخاری میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

ہمیں وہ تلخ و سخت حالات جن میں مسلمان مبتلا ہیں، بے چین رکھیں جن اذیتوں تکلیفوں اور دین کی بنیاد پر جس بربریت اور سفاکی کا وہ شکار ہیں، وہ ہماری زندگی کو منقض کر دیں، ہماری دینی حیثیت اور اسلامی غیرت بیدار ہو، اور ہم اپنا برا درانہ اور اسلامی فریضہ حسب استطاعت انجام دیں، اعلیٰ کلمۃ اللہ دین کے غلبہ و سر بلندی، مقاصد دین کو بروئے کار لانے، شریعت کا نفاذ اور اس کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنے اور اس کی بھرپور کوشش کریں کہ ہم ایک طاقت بن کر ابھریں جس کی ہیبت و رعب اور صلاحیت نفع و ضرر کو کھلے طور پر محسوس کیا جائے، یہاں تک کہ خدا کی زمین میں ہمارے قدم جم جائیں، اور فتنہ و فساد کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے اور

اطاعت و فرمانبرداری صرف خدائے واحد کی رہ جائے۔

حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً يُكَلِّمُكَ
الدِّينُ كُلُّهُ يَلْعَنُ ۖ

یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد)
باقی نہ رہے اور دین سب خدا ہی کا

(الانفال - ۲۹) ہو جائے۔

۱۲۔ آخری بات جو قلب میں رقت و سوز و گداز پیدا کرنے، دنیا سے دنی میں شرعی طور پر
مطلوب زہد و انقا کی زندگی گزارنے، اور آخرت میں کارآمد چیزوں میں مشغولیت،
اور مہمی لمبی امیدوں اور آرزوؤں سے پرہیز و حفاظت کے لئے بہت سازگار اور
بڑی موثر ہے، وہ زندگی کے مختصر ہونے، دنیا کی بے ثباتی اور موت کا استحضار ہے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:-

اَلْثَرَاذُ كَرِهًا ذَمُّ اللِّذَاتِ لَذَّتُوْنَ كَوْتُوْرُنِىْ وَ اَلِى (چیز) یعنی
یعنی الموت۔ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

مراقبہ موت میں کچھ وقت صرف کرنا چاہئے اور حسن خاتمہ کی شدید فکر ہونی
چاہئے، کیونکہ اعتبار حسن خاتمہ ہی کا ہے، اس امت کے تمام اویبا سے کا ملین،
عارفین، محققین جن کی استقامت، خدائے تعالیٰ کے ہاں بلند درجہ، اور لوگوں میں
مقبولیت کی زبانِ خلق شہادت دیتی رہی، اور جن کے کرامات اور خوارق عادات
نقل کئے جاتے رہے، اور جن کی تعریف و توصیف اور اعتراف سے زبانیں تر رہیں،
حسن خاتمہ اور ایمان پر موت کی ایسی فکر ان پر غالب و طاری رہتی تھی کہ۔

اے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

یہی ان کا محور فکر اور ہمہ وقت مشغول رکھنے والا کام تھا، ان کو کبھی اعمال صالحہ پر اور لوگوں کی عقیدت و حسن ظن پر نہ ناز تھا، نہ اپنی سعی و کوشش اور جدوجہد پر اعتماد، اور اس حدیث کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ	حضرت ابو ہریرہ، رضی اللہ عنہ
قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لن یجی امدائنا عملہ، قالوا: ولا انت	سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا
یا رسول اللہ! قال: ولا انا الا ان یتغمد فی اللہ برحمۃ	صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کو بھی، فرمایا، ہاں مجھ کو سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، ٹھیک ٹھیک چلو، اور قریب قریب رہو، صبح بھی چلو، اور شام بھی چلو، اور کچھ رات گئے بھی چلو، اور دیکھو میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو، منزل تک پہنچ جاؤ گے

بہت مناسب ہے کہ حسن خاتمہ کے فکر و اہتمام کی دعوت دینے والی یہ حدیث

اس کتاب کا حسن خاتمہ بن جائے "واللہ الموفق للسداد والصواب والیہ
المرجع والمآب"

روز جمعہ ۳ شعبان ۱۴۰۲ھ

دائرہ شاہ علم الشرحی - رائے بریلی

۱۔ اصل عربی کتاب کی تسوید سے بروز جمعہ ۳ شعبان ۱۴۰۲ھ فراغت ہوئی، اور کتاب کا اردو ترجمہ
یکم رمضان سے شروع ہو کر بروز جمعرات ۱۵ رمضان ۱۴۰۲ھ اختتام پذیر ہوا۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کی چند اہم شاہکار تصنیفات

نئی رحمت مکمل
حدیث کا بنیادی کردار
سرگرم ایمان و مادیت
پرانے چراغ مکمل (دو حصے)
ارکان اربعہ
نقوش اقبال
کاروانِ مدینہ
تاریخیت
تعمیر انسانیت
حدیث پاکستان
اصلاحیات
صحبتے باہل دل
کاروانِ زندگی مکمل
مذہب و تمدن
دستور حیات
حیات عجد المئی
دو متضاد تصویریں
تحفہ پاکستان
پاجا سراغِ زندگی
عالم عربی کا الیہ

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل (دو حصے)
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں
جب ایشیا کی بہار آئی
مولانا محمد الیاس اور اُن کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
مصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
ترکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعہ قرآن کے مبادی اصول
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا
خواتین اور دین کی خدمت
کاروانِ ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبد القادر رائے پوری

ناشر، فضیل رُئی ندوی — فون ۶۲۱۸۱۷-۶۲۰۸۹۶

مجلس نشریات اسلام کے ۳ ناظم آبادیشن ناظم آبادی کراچی ۱۸